اس شمارے میں

اس شمارے میں	شاہد رضا	۳

قرآنیات

سورۂ یونس (۲)	جاوید احمد غامدی	۴

معارف نبوی

بخار میں پانی سے غسل کے بارے میں	امین احسن اصلاحی	۱۰

مقالات

علم اور ذرائع علم	امین احسن اصلاحی	۱۳

سیر و سوانح

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ	محمد وسیم اختر مفتی	۱۷

نقد و نظر

قوّامیت رجال	رضوان اللہ	۲۶

یسئلون

ختم نبوت کے بعد ہدایت خلق کا انتظام	امین احسن اصلاحی	۴۰

اشاریہ

اشاریہ ماہنامہ ''اشراق'' ۲۰۱۳ء	نعیم احمد	۴۴

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

شاہد رضا

اس شمارے میں

''قرآنیات'' میں حسب سابق جناب جاوید احمد غامدی کا ترجمۂ قرآن ''البیان'' شائع کیا گیا ہے۔ یہ سورۂ یونس (۱۰) کی آیات ۱۱-۱۹ کے ترجمہ اور حواشی پر مشتمل ہے۔ ان میں منکرین کے مطالبۂ عذاب کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ رحمت میں سبقت کرتا اور قہر میں دھیما ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اپنی کتاب میں ان کے مطالبۂ ترمیم کا جواب دیا ہے اور آخر میں عقیدۂ شرک کی لغویت واضح فرمائی ہے۔

''معارف نبوی'' میں مولانا امین احسن اصلاحی کے مضمون ''بخار میں پانی سے غسل کے بارے میں'' کے تحت ''موطا امام مالک'' کی چند روایات شائع کی گئی ہیں۔ ان کا موقف ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم ایک خاص بخار، یعنی لو والے بخار کے بارے میں فرمایا ہے۔ بخار کی نوعیت کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

''مقالات'' میں مولانا امین احسن اصلاحی کی ایک تقریر ''علم اور ذرائع علم'' شائع کی گئی ہے۔ ان کا موقف ہے کہ علم کے دونوں ذرائع ــــ عقل اور وحی ــــ یکساں اہمیت کے حامل ہیں، ان میں کسی قسم کا نزاع نہیں۔

''سیر وسوانح'' میں جناب محمد وسیم اختر مفتی صاحب کا مضمون ''حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ'' شامل کیا گیا ہے۔ اس میں ان کے متعدد فضائل کے علاوہ واقعۂ ہجرت حبشہ و مدینہ، جنگ بدر و احد اور قریش کی نگرانی کے لیے ان کی امارت میں ایک سریہ میں کردار اور ان کی روایت حدیث کو بیان کیا ہے۔

''نقد ونظر'' میں جناب رضوان اللہ صاحب کا مضمون ''قوّامیت رجال'' شامل اشاعت ہے۔ ان کا موقف ہے کہ آیت 'اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ' میں 'قَوَّام' سے مراد شوہر کا کفیل ہونا نہیں، بلکہ منتظم اور سربراہ ہونا ہے۔

''یسئلون'' میں ''ختم نبوت کے بعد ہدایت خلق کا انتظام'' کے عنوان سے مولانا امین احسن اصلاحی کا ایک سوال کا جواب شائع کیا گیا ہے۔ اس میں بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہدایت خلق کے لیے اس امت کو شہادت علی الناس کے منصب پر فائز کیا ہے۔

---

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ یونس

(۲)

(گذشتہ سے پیوستہ)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

وَلَوۡ یُعَجِّلُ اللّٰہُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسۡتِعۡجَالَھُمۡ بِالۡخَیۡرِ لَقُضِیَ اِلَیۡھِمۡ اَجَلُھُمۡ فَنَذَرُ الَّذِیۡنَ لَا یَرۡجُوۡنَ لِقَآءَنَا فِیۡ طُغۡیَانِھِمۡ یَعۡمَھُوۡنَ ﴿۱۱﴾ وَاِذَا مَسَّ الۡاِنۡسَانَ

(یہ عذاب مانگتے ہیں[۱۶]) اگر اللہ لوگوں کے لیے عذاب کے معاملے میں بھی اُسی طرح جلدی کرتا، جس طرح وہ اُن کے ساتھ رحمت میں جلدی کرتا ہے[۱۷] تو اُن کی مدت پوری کر دی گئی ہوتی۔ سو ہم اُن لوگوں کو جو ہماری ملاقات کی توقع نہیں رکھتے، اُن کی سرکشی میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیتے ہیں[۱۸]۔

۱۶؎ یعنی جب آیات الٰہی کو جھٹلانے کے انجام سے اِن لوگوں کو ڈرایا جاتا ہے تو فوراً مطالبہ کرتے ہیں کہ تم سچے رسول ہو تو جس عذاب کی دھمکیاں سناتے ہو، اُس کی کوئی جھلک دکھا کیوں نہیں دیتے؟ آگے اِسی مطالبے کا جواب ہے۔

۱۷؎ اصل میں 'اِسۡتِعۡجَالَھُمۡ بِالۡخَیۡرِ' کے الفاظ آئے ہیں۔ اِن میں 'اِسۡتِعۡجَال' 'تعجیل' کے معنی میں اور اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے۔ اِس کی وجہ وہی ہے جو زمخشری نے ''الکشاف'' (۳۱۶/۲) میں بیان کر دی ہے کہ 'تعجیله لھم الخیر' کی جگہ یہ الفاظ سرعت اجابت پر دلالت کے لیے آ گئے ہیں۔

۱۸؎ اِس لیے کہ عذاب سے پہلے اِنھیں زیادہ سے زیادہ مہلت مل جائے اور جب گرفت کی جائے تو یہ کوئی عذر نہ

الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ
يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٢﴾
وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ
وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿١٣﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ
فِى الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٤﴾
وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ

(حقیقت یہ ہے کہ اِنھیں کوئی عذاب دکھا بھی دیا جائے تو ایمان نہ لائیں گے۔ اِس لیے کہ) انسان کا حال یہ ہے کہ جب اُس پر کوئی سخت وقت آتا ہے تو لیٹے اور بیٹھے اور کھڑے وہ ہم کو پکارتا ہے۔ پھر جب اُس کی تکلیف ہم ٹال دیتے ہیں تو اِس طرح چل دیتا ہے گویا جو تکلیف اُسے پہنچی، اُس میں کبھی اُس نے ہم کو پکارا ہی نہ تھا۔ حد سے گزرنے والوں کے لیے اُن کے اعمال اِسی طرح خوش نما بنا دیے گئے ہیں۔ ۱۱-۱۲

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

تم سے پہلے کی قوموں کو ہم نے (اِسی طرح) ہلاک کر دیا، جب اُنھوں نے ظلم کا ارتکاب کیا[19]۔ اُن کے رسول اُن کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے اور اُنھوں نے ایمان لا کر نہیں دیا۔ ہم مجرموں کو اِسی طرح (اُن کے جرائم کا) بدلہ دیتے ہیں۔ اب اُن کے بعد ہم نے زمین میں اُن کی جگہ تمھیں دی ہے تاکہ دیکھیں تم کیسے عمل کرتے ہو۔ ۱۳-۱۴

(لیکن اِن کا حال بھی وہی ہے، اے پیغمبر۔ چنانچہ) جب ہماری کھلی ہوئی آیتیں اِنھیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو جن لوگوں کو ہماری ملاقات کا کھٹکا نہیں ہے، وہ کہتے ہیں کہ اِس کے بجائے کوئی اور

پیش کر سکیں۔

۱۹؎ یعنی پیغمبر کی طرف سے اتمام حجت کے باوجود اُسے ماننے سے انکار کر دیا۔ قرآن کی اصطلاح میں یہی ظلم ہے جس کے نتیجے میں قوموں پر اللہ کا عذاب آتا رہا ہے۔ قرآن نے آگے اِس کی وضاحت کر دی ہے۔

هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ قُلْ مَايَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿١٥﴾ قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰكُمْ بِهٖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿١٦﴾ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿١٧﴾

قرآن لاؤ یا اِس میں ترمیم کر دو۔[20] کہہ دو، (یہ خدا کا کلام ہے)، مجھے کیا حق ہے کہ میں اِس میں اپنی طرف سے کوئی ترمیم کروں۔ میں تو صرف اُس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے پاس آتی ہے۔ اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو ایک بڑے ہول ناک دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ کہہ دو، اگر اللہ چاہتا تو نہ میں یہ قرآن تمھیں سناتا، نہ اللہ اِس کی خبر تمھیں دیتا۔ (یہ اُسی کا فیصلہ ہے)، میں تو اِس سے پہلے ایک عمر تمھارے درمیان گزار چکا ہوں۔ (میں نے کب اِس طرح کی کوئی بات کبھی کی ہے)؟ پھر کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟[21] سو اُس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو اللہ پر جھوٹ بہتان باندھے یا اُس کی آیتوں کو جھٹلا دے۔[22] حقیقت یہ ہے کہ اِس طرح کے مجرم کبھی فلاح نہیں پائیں گے۔[23] ۱۵-۱۷

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

۲۰؎ یعنی قرآن کو آپ کی تصنیف سمجھتے اور مطالبہ کرتے ہیں کہ اُس میں ایسی ترمیم کر دی جائے جس کے بعد وہ اُن کے دینی تصورات کے مطابق ہو جائے۔ اِس وقت جو قرآن پیش کیا جا رہا ہے، وہ اُنھیں گوارا نہیں ہے، اِس لیے کہ وہ نہ اُن کے مشرکانہ عقائد کے ساتھ کسی مصالحت کے لیے تیار ہے اور نہ دین داری کے اُن رسوم کو کوئی اہمیت دیتا ہے جنھیں وہ اپنا سرمایۂ فخر بنائے ہوئے ہیں۔

۲۱؎ اوپر جو کچھ فرمایا ہے، یہ اُس کی ایسی زبردست دلیل ہے کہ کوئی سلیم الطبع انسان اِس کو جھٹلانے کی جسارت نہیں کر سکتا۔ مطلب یہ ہے کہ تم نے کب دیکھا ہے کہ میں اُن مباحث میں دل چسپی لے رہا ہوں یا اُن کے بارے میں کچھ خیالات و افکار کا اظہار کر رہا ہوں یا اُن کی ترتیب و تدوین کے لیے مشق و مزاولت میں مصروف ہوں یا اُن سے متعلق کسی علم و فن کا اکتساب کر رہا ہوں جو اِس وقت قرآن کی سورتوں میں پے در پے زیر بحث آ رہے ہیں؟ پورے چالیس سال میں نے تمھارے درمیان گزارے ہیں۔ میری باتوں اور میری حرکات و سکنات میں تم نے کب

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَاللّٰهِ قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَايَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا وَلَوْلَا

(یہ اِس وقت بھی جھوٹ باندھ رہے ہیں۔ چنانچہ) اللہ کے سوا اُن کی پرستش کر رہے ہیں جو اِن کو نہ نقصان پہنچا سکیں، نہ نفع اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔ (اِن سے) کہو، کیا تم اللہ کو اُس بات کی خبر دیتے ہو جسے وہ نہ آسمانوں میں جانتا ہے، نہ زمین میں[۲۴]۔ وہ پاک اور برتر ہے اُن چیزوں سے جنھیں یہ شریک ٹھیراتے ہیں[۲۵]۔ (اپنے اِس شرک کے لیے یہ باپ دادوں کا حوالہ نہ دیں۔

ایسی کوئی چیز محسوس کی ہے جسے اُس دعوت کی تمہید کہا جا سکے جو میں اِس وقت پیش کر رہا ہوں؟ جو کچھ میں آج کہہ رہا ہوں، اُس کے نشو و ارتقا کے کوئی نشانات تم نے کبھی میری زندگی میں پائے ہیں؟ تم جانتے ہو کہ انسانی دماغ اپنی عمر کے کسی مرحلے میں بھی ایسی کوئی چیز پیش نہیں کر سکتا جس کے نشو و ارتقا کے نشانات اُس سے پہلے کے مرحلوں میں نہ پائے جاتے ہوں؟ تم کہتے ہو کہ میں خدا پر جھوٹ باندھ رہا ہوں۔ اِس سے پہلے کسی جھوٹ، فریب، جعل یا مکاری و عیاری کا کوئی ادنیٰ شائبہ تم نے کبھی میری سیرت و کردار میں دیکھا ہے؟ آج تک تم مجھے صادق اور امین سمجھتے رہے ہو۔ اب کس طرح کہہ رہے ہو کہ وہی صادق اور امین راتوں رات برخود غلط، لپاٹیا اور مفتری بن گیا ہے۔ خدا کے بندو، تم عقل سے کام کیوں نہیں لیتے؟

۲۲؎ یعنی اگر یہ خدا کی آیات نہیں ہیں اور میں اِنھیں خود تصنیف کر کے آیاتِ الٰہی کی حیثیت سے پیش کر رہا ہوں تو مجھ سے بڑا کوئی ظالم نہیں ہے، اور اگر میں سچا ہوں اور تم خدا کی آیات کو جھٹلا رہے ہو تو پھر تم سے بڑا کوئی ظالم نہیں ہے۔

۲۳؎ یعنی دنیا میں تو ہو سکتا ہے کہ اُن کی یہ باتیں چل جائیں، لیکن خدا کے حضور میں کبھی فلاح نہیں پائیں گے۔

۲۴؎ یہ نفی الشیٔ بنفی لازمہ کا اسلوب ہے، جس طرح امرؤالقیس ایک صحرائی راستے کی تعریف میں کہتا ہے کہ 'لا یهتدى بمناره'۔ مطلب یہ ہے کہ تمھارے اِن شریکوں کا کوئی وجود ہوتا تو سب سے زیادہ اُس کو پتا ہوتا جس کی خدائی میں اِنھیں شریک کر رہے ہو۔ پھر جب اُس کو پتا نہیں تو خود اندازہ کر سکتے ہو کہ خدا پر کتنا بڑا جھوٹ باندھ رہے

كَلِمَةٌ سَبَقَتۡ مِنۡ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيۡنَهُمۡ فِيۡمَا فِيۡهِ يَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۱۹﴾

حقیقت یہ ہے کہ) لوگ ایک ہی امت تھے،[۲۶] اُنھوں نے بعد میں اختلاف کیا ہے اور اگر تیرے پروردگار کی طرف سے ایک بات پہلے طے نہ کر لی گئی ہوتی[۲۷] تو اُس چیز کا فیصلہ کر دیا جاتا جس میں یہ اختلاف کر رہے ہیں۔۱۸-۱۹

ہو۔

۲۵؎ اِس لیے کہ نہ اُس کی صفات سے اِن چیزوں کو کوئی مناسبت ہے اور نہ اُس کی صفات میں کوئی تضاد مانا جاسکتا ہے۔

۲۶؎ یعنی خدا نے انسانیت کی ابتدا دین فطرت سے کی تھی۔ اُس وقت تمام انسان توحید کے ماننے والے تھے۔ انسانیت کی ابتدا شرک سے نہیں ہوئی۔ یہ نجاست تو انسان کے عقائد کو بہت بعد میں لاحق ہوئی ہے۔

۲۷؎ یعنی یہ بات کہ اختلافات کا حتمی فیصلہ قیامت کے دن سنایا جائے گا۔ اُس سے پہلے اُنھیں گوارا کیا جائے گا تاکہ لوگوں کے عقل و فہم اور ضمیر و وجدان کو آزمایش میں ڈال کر اُنھیں جنت کے لیے منتخب کیا جائے۔

[باقی]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

امین احسن اصلاحی
ترتیب و تدوین: خالد مسعود۔ سعید احمد

بخار میں پانی سے غسل کے بارے میں

(اَلْغُسْلُ بِالْمَاءِ مِنَ الْحُمّٰی)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

حَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ الْمُنْذِرِ اَنَّ اَسْمَاءَ بِنْتَ اَبِیْ بَكْرٍ كَانَتْ اِذَا اُتِیَتْ بِالْمَرْأَةِ وَقَدْ حُمَّتْ تَدْعُوْ لَهَا اَخَذَتِ الْمَاءَ فَصَبَّتْهُ بَیْنَهَا وَ بَیْنَ جَیْبِهَا وَ قَالَتْ: اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ كَانَ یَأْمُرُنَا اَنْ نُبْرِدَهَا بِالْمَاءِ.

ہشام بن عروہ فاطمہ بنت منذر سے روایت کرتے ہیں کہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کی خدمت میں جب کوئی بخار زدہ عورت دعا کے لیے لائی جاتی تو وہ پانی لیتیں اور اس کے اور اس کے گریبان کے درمیان چھڑکتیں اور وہ کہتی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم دیتے تھے کہ بخار کو پانی سے ٹھنڈا کیا کرو۔

وضاحت

اس عمل کا حکیم لوگوں نے بڑا مذاق اڑایا ہے کہ اس علاج سے تو مریض مر جائے گا۔ لیکن واقعہ یہ نہیں، اصل بات یہ ہے کہ جب لو لگتی ہے، اور عرب میں تو اکثر لو چلتی ہے، تو پانی سے اس کا اثر دور کرتے ہیں۔ اس زمانہ میں بھی اگر

بخار میں شدت آجائے تو ڈاکٹر برف کے پانی سے علاج کرتے ہیں۔لہٰذا یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے۔البتہ ایسی روایتوں کے بارے میں بعض غلط فہمیوں کو صاف ہو جانا چاہیے۔مثلاً یہ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر ایسی ہدایت فرمائی تو ضروری نہیں کہ آپ کی یہ بات وحی پر مبنی اور شریعت کا کوئی جز ہو، بلکہ عام تجربے کی بنا پر آپ نے ایک بات بتا دی۔گرم ملک میں لو لگنے کا عارضہ عام تھا تو اس میں یہ علاج مفید ہے۔لوگ سمجھنے میں یہ غلطی کرتے ہیں کہ ایک خاص معاملے کو عام کر دیتے ہیں، یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خاص بخار کے لیے علاج بتایا، لوگوں نے سمجھا کہ جس قسم کا بھی بخار ہو مریض کو خوب نہلا دو۔ پھر روایت میں پانی چھڑکنے کا کہا ہے تو لوگ اس پر قناعت نہیں کریں گے، بلکہ جا کر ندی میں نہالیں گے۔ظاہر ہے کہ آدمی مر جائے گا، اس لیے کہ کچھ بخار ایسے ہیں کہ پانی ان کے لیے زہر قاتل ہے۔

حیرانی کی بات یہ ہے کہ لوگ اتنی سی بات نہیں سمجھتے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جتنی باتیں بتاتے، وہ سب کی سب وحی پر مبنی نہیں ہوتی تھیں۔مثال کے طور پر تابیر نخل کے بارے میں آپ نے لوگوں سے کہا کہ درخت کا بور کھجور کے درختوں پر جو چھڑکتے ہو، اگر تم ایسا نہ کرو تو کیا حرج ہے۔لوگوں نے بور چھڑکنا چھوڑ دیا تو پھل کم آیا۔لوگوں نے پھل کی کمی کی شکایت آپ کے پاس کی کہ حضور، ہم نے آپ کے حکم سے ایسا کیا تھا، لیکن پھل بہت کم آیا، تو آپ نے فرمایا کہ 'أنتم أعلم بأمور دنیاکم' تم دنیا کے معاملات میں بہتر جانتے ہو۔کھیتی باڑی کے معاملات تم جانو۔ مجھے تو ایک ذوق کی بات لگی تھی تو میں نے کہہ دیا، یہ کوئی شریعت کا حکم تو نہیں تھا۔علیٰ ہٰذا القیاس بیماریوں کے علاج کی روایتوں کو جمع کر کے لوگوں نے طب نبوی کو باقاعدہ مرتب کر کے پیش کر دیا ہے۔ظاہر ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے ایک متقی آدمی دوسرا علاج کیوں کرائے گا۔ وہ اسے تقویٰ کے خلاف سمجھے گا۔لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ ایسی روایات کو بھی تابیر نخل کے واقعہ پر قیاس کرنا چاہیے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جسمانی بیماریوں کے نہیں، بلکہ روحانی بیماریوں کے معالج ہو کر آئے تھے۔آپ کی طرف طب روحانی کے سوا اور کسی طب کے منسوب کرنے کی گنجایش نہیں۔لہٰذا اس طرح کے معاملات میں موقع و محل کا لحاظ ہونا چاہیے۔ یہ واقعہ ہے کہ بعض بخاروں میں پانی بہت مفید ہے، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ بعض میں یہ انتہائی نقصان دہ ہے، اس لیے بخار کی نوعیت کا لحاظ رکھنا ہو گا۔

میرے نزدیک یہ بات قرآن مجید کی اس آیت میں بھی ملحوظ ہونی چاہیے جس میں فرمایا ہے کہ شہد میں شفا بھی ہے۔ یہ قرآن مجید پر ظلم ہو گا اگر آپ اس کے معنی یہ لیں کہ شہد ہر مرض کی دوا ہے۔ یقیناً وہ بہت سے امراض میں مفید ہے، لیکن اس میں ہر مرض کا تو علاج نہیں کہ آپ ہر مرض میں مریض کو شہد ہی پلانے کی کوشش کریں۔خود قرآن مجید

کے الفاظ سے یہ بات نہیں نکلتی کہ وہ شہد کو بطور علاج تجویز کر رہا ہے۔ اس نے اس نعمت کا اسی طرح ذکر کیا ہے، جس طرح دوسری نعمتوں کا جن کو انسان اپنے فائدہ کے لیے استعمال کرتا ہے۔

حَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اِنَّ الْحُمّٰى مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ فَابْرُدُوْهَا بِالْمَاءِ. عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلْحُمّٰى مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ فَأَطْفِئُوْهَا بِالْمَاءِ.

ہشام بن عروہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بخار جہنم کی پھونک میں سے ہے، اس کو پانی سے ٹھنڈا کرو۔ نافع ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بخار جہنم کی پھونک میں سے ہے، اسے پانی سے بجھاؤ۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

وضاحت

یہ واقعہ ہے کہ جتنا خیر ہے، اس کا منبع جنت ہے اور جتنا شر ہے، اس کا منبع دوزخ ہے۔ خیر اور شر کے ذخیرے یہی ہیں۔ حدیث میں بخار کی بیماری کا خاندان ونسب بتا دیا ہے کہ یہ کس خاندان سے چلی ہے۔ گویا یہ بیماری بھی اس طرح کی ہے کہ تمام شر کا منبع ہے، لہٰذا اس کو پانی سے ٹھنڈا کرو۔ روایت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات کس موقع پر فرمائی۔ ہوسکتا ہے، بخار کی کوئی خاص قسم مراد ہو یا کسی کے بخار کا ذکر آیا ہو اور آپ کو معلوم ہو کہ اس کو لو لگی ہے تو اس موقع پر آپ نے فرمایا ہو۔ بہت سی روایات کو سمجھنے میں لوگوں کو مشکل اس لیے پیش آئی کہ راوی حضرات روایت کا موقع و محل متعین نہیں کرتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بڑے بڑے فتنے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔

امین احسن اصلاحی

علم اور ذرائع علم

[یہ تقریر انجمن فاضلین ادارۂ تعلیم، جامعہ پنجاب کے ایک اجلاس میں ۱۹۶۶ء میں کی گئی۔]

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اصل چیز جو انسان کو حیوانات سے ممیّز کرتی ہے، وہ علم و ادراک ہے۔ جہاں تک دوسری خصوصیات و صفات کا تعلق ہے۔ مثلاً کھانے پینے میں، بھاگنے دوڑنے میں، توالد و تناسل میں، حیوانات نہ صرف انسان کے شریک و سہیم ہیں، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ان صفات میں وہ انسان پر مختلف اعتبارات سے بالاتری کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ لیکن علم و ادراک کی صفت انسان کے اندر ایک ایسی صفت ہے جس کی بدولت انسان نہ صرف تمام حیوانات پر حکمران ہے، بلکہ پہاڑوں اور سمندروں کی تسخیر کرتا ہے، ہواؤں پر حکومت کرتا ہے، ستاروں پر کمند ڈالتا ہے، بلکہ سچ پوچھیے تو فرشتوں پر بھی بازی لے گیا ہے۔

اسی وجہ سے دنیا کی قدیم ترین سچائیوں میں سے ارسطو کی یہ بات بھی ہے کہ انسان حیوان ناطق ہے۔ ناطق کے معنی جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ 'دریابندۂ معقولات' کے ہیں، یعنی انسان صرف محسوسات ہی کا علم نہیں رکھتا، بلکہ معقولات کی دریافت بھی کرتا ہے اور اس کی یہی صفت ہے جو اسے حیوانات سے الگ کرتی ہے۔ اگر یہ نہ ہوتی تو انسان بھی حیوانات کی مختلف قسموں میں سے ایک قسم کا حیوان ہوتا اور اگر سب سے نہیں تو بہت سی قسموں سے تو ضرور فروتر ہوتا۔

حضرات، انسان کی یہی جبلت ہے جس کی وجہ سے انسان کا بچہ ابھی ماں کی گود ہی میں ہوتا ہے کہ ہر چیز سے متعلق کیا، کیوں اور کس طرح کے سوالات کی بھرمار سے ماں اور باپ کو تنگ کر دیتا ہے۔ اسی جبلت کے تقاضوں کو

بروے کار لانے کے لیے قدرت نے انسان کو عقل سے نوازا ہے جو انسان کی تمام خصوصیات میں سے اعلیٰ ترین خصوصیت اور اس کے تمام کارناموں اور اس کی کامرانیوں کا سرچشمہ ہے۔

جبلی اور فطری تقاضا ہونے کی وجہ سے ہر انسان کے اندر علم کی طلب لازماً پائی جاتی ہے۔لیکن جس طرح ہر فطری طلب موانع ومشکلات اور ماحول کی مزاحمتوں کی وجہ سے دب جاتی ہے یا غلط راہیں اختیار کر لیتی ہے، اسی طرح یہ طلب بھی بہت سے لوگوں کے اندر مغلوب یا پراگندہ ہوجاتی ہے۔لیکن ہے انسان کے اندر یہ اتنی شدید کہ یہ مردہ کبھی نہیں ہوتی اور اس دنیا میں بے شمار انسان ایسے گزرے ہیں جن کے اندر مزاحمتوں کے علی الرغم یہ داعیہ اس زور سے ابھرا ہے کہ انھوں نے کسی مزاحمت کی بھی پروا نہیں کی ہے اور اس راہ میں ایسی قربانیاں دی ہیں کہ انسانیت ان پر ہمیشہ فخر کرے گی اور درحقیقت ایسے ہی جاں بازوں کے کارنامے ہیں جن سے آج نہ صرف علم وفن کے بازار کی رونق ہے، بلکہ دنیا کی ساری بہار انھی کی لائی ہوئی ہے۔

حضرات، میری اس گزارش کا مقصد یہ ہے کہ علم، انسان کی سب سے اعلیٰ طلب ہے اور اس طلب کے بروے کار آنے کا ذریعہ اس کی عقل ہے۔انسان کی ساری فتوحات اس کے دم قدم سے ہیں۔ یہ نہ ہو تو یہ دنیا بالکل تاریک ہو جائے۔اس وجہ سے میں ان فلسفیوں سے متفق نہیں جو عقل کی کج اندیشیوں اور گمراہیوں کی داستان اس طرح بیان کرتے ہیں کہ شبہ ہونے لگتا ہے کہ عقل انسان کی رہنمائی کے لیے نہیں، بلکہ اس کو گمراہ کرنے کے لیے قدرت نے اس کے ساتھ لگا دی ہے۔عقل کو اس طرح مطعون کرنا میرے نزدیک ایک قسم کا مغالطہ ہے۔البتہ یہ ضرور ہے کہ عقل بہت حفاظت اور بڑی تربیت کی محتاج ہے۔حفاظت سے میرا مقصد یہ ہے کہ انسانیت کا تمام شرف چونکہ اسی پر منحصر ہے، اس وجہ سے سب سے بڑی ضرورت انسانیت کی یہ ہے کہ انسان کا یہ جوہر کسی غلط ہدف پر ضائع نہ ہو، بلکہ اسی مقصد پر صرف ہو، جس مقصد کے لیے قدرت نے اس کو انسان کے اندر ودیعت کیا ہے۔

تربیت سے میرا مقصد یہ ہے کہ اس کی قوتوں اور صلاحیتوں کو بیدار کرنے کی ایسی تدبیریں اختیار کی جائیں کہ یہ برابر ترقی کرتی رہے اور اس پر کبھی جمود اور اندھی تقلید کا رنگ چڑھنے نہ پائے۔اس مقصد کے لیے دنیا میں اس قسم کے اداروں کا وجود ہو جن میں سے ایک ادارے میں آج مجھے یہ تقریر کرنے کی عزت حاصل ہوئی ہے۔میرے نزدیک ان اداروں کا اصل مقصد کتابوں کی تعلیم و تدریس نہیں، بلکہ عقل کی ایسی تربیت ہے کہ یہ حصول علم کی راہ میں ہمیشہ سرگرم رہ سکے۔

حضرات، لیکن عقل کی اس فضیلت کے ساتھ ساتھ اس بات کو یاد رکھیے کہ عقل نہ تو بے خطا چیز ہے اور نہ اس کے

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

متعلق یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ یہ جس طرح مادیات ومحسوسات کے عالم میں اپنی جولانیاں دکھاتی ہے، اسی طرح ان اعلیٰ اقدار وحقائق کی جستجو میں بھی تگ ودو کر سکتی ہے جو محسوسات ومادیات سے ماوراء ہیں، حالاں کہ وہی اقدار وحقائق ہیں جن سے انسانی زندگی کو ابدیت اور غیر فانی ہونے کا مقام حاصل ہوتا ہے۔ اگر انسان ان حقائق سے بے خبر رہے تو خواہ مالی اعتبار سے کتنی ہی ترقی کر لے، اس کو ابدیت کا اعلیٰ مقام حاصل نہیں ہو سکتا۔

عقل انسانی کی اس کمی کو پورا کرنے کے لیے قدرت نے انسان کو ایک اور ذریعۂ علم بھی عطا فرمایا ہے۔ یہ ذریعہ وحی کا ذریعہ ہے۔ وحی انبیا علیہم السلام کے ذریعہ سے آئی ہے۔ جن کا علم بے خطا بھی ہے اور جو ان حقائق واقدار پر مشتمل بھی ہے جو محسوسات ومادیات سے ماوراء ہیں۔ یہ علم اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس لیے دیا ہے کہ انسان اس عالم آب وگل کا اسیر بن کر نہ رہ جائے، بلکہ اس زندگی کے بعد ابدی زندگی کی خوشیوں اور لذتوں کو بھی حاصل کر سکے۔

وحی کے ذریعے سے ہمیں جو علم حاصل ہوا ہے، نہ وہ عقل کے خلاف ہے نہ وہ اس دنیا کے معاملات ومسائل سے بے تعلق ہے، بلکہ وہ تمام تر عقل وفطرت ہی کے تقاضوں پر مبنی ہے اور اس کا مقصد ہماری اس دنیاوی زندگی کی ایسی تنظیم ہے کہ یہ زندگی ہماری ابدی زندگی کا دیباچہ اور اس کی تمہید بن جائے اور ہم یہاں اپنی زندگی، آخری زندگی کی صلاح وفلاح کو پیش نظر رکھ کر گزاریں۔

آپ اگر علم وحی پر ایک شائق علم، طالب علم کی طرح کسی بدگمانی کے بغیر غور کریں گے تو آپ محسوس کریں گے کہ یہ ہماری عقل کو معطل نہیں کرتا، بلکہ اس بات کی دعوت دیتا ہے کہ وہ اپنے غور وفکر اور اپنی تحقیق وجستجو کو صرف اس عالم رنگ وبو ہی تک محدود نہ رکھے، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر ان ظواہر کے پیچھے جو حقائق ہیں، ان کو بھی دیکھے اور سمجھے۔ یہ ہمیں اس بات کی ترغیب نہیں دیتا کہ ہم اس دنیا کے معاملات ومسائل کو نظر انداز کر دیں، بلکہ اس بات کی دعوت دیتا ہے کہ ہم صحیفۂ کائنات کے صرف اسی ایک ورق کے فکر ومطالعہ پر قانع نہ ہو جائیں جو ہماری آنکھوں کے سامنے کھلا ہوا ہے، بلکہ اس صحیفہ کے ان اوراق کو بھی پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش کریں جو اگرچہ ہماری آنکھوں کے سامنے نہیں ہیں، لیکن ہمارے دل اور ہماری آنکھوں کے لیے وہ بھی کھلے ہوئے ہیں۔

اس وجہ سے میں علم کے ان دونوں ذرائع ــــ عقل اور وحی ــــ کو یکساں اہمیت دیتا ہوں اور ان کے درمیان کسی نزاع کا قائل نہیں ہوں۔ جو لوگ ان کے درمیان نزاع کے قائل ہیں اور عقل کی حمایت میں وحی کو اور وحی کی حمایت میں عقل کو مطعون کرتے ہیں، میں اس کو ان کی کم نگاہی پر محمول کرتا ہوں۔ جس طرح عقل استدلال سے کام لیتی ہے، اسی طرح وحی بھی آفاق وانفس کی نشانیوں سے استدلال کرتی ہے اور اس استدلال میں وہ تمام تر عقل ہی

کے کلیات استعمال کرتی ہے اور عقل کی جولانیوں کے لیے ایک غیر محدود میدان فراہم کرتی ہے۔ پس علم کی صحیح ترقی کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم وحی کی روشنی سے بھی پورا پورا فائدہ اٹھائیں، ورنہ عقل اور سائنس کی مدد سے آج جو فتوحات انسان حاصل کر رہا ہے، یہ ان کے لیے نفع رساں ہونے کے بجاے تباہی کا باعث بن جائیں گی! موجودہ دور کے انسان نے سائنس کے زور سے اسلحہ تو بے پناہ ایجاد کر لیے، لیکن وحی کی رہنمائی سے محروم ہونے کی وجہ سے اپنے ظرف کے اندر وہ وسعت اور آفاقیت پیدا نہ کر سکا جو ان اسلحہ کے صحیح استعمال کے لیے ناگزیر ہے! ہماری یونیورسٹیوں کو اس مسئلہ پر بڑی سنجیدگی سے غور کرنا اور اس کا حل تلاش کرنا چاہیے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

محمد وسیم اختر مفتی

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن جحش بنوخزیمہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اسد بن خزیمہ کی نسبت سے ان کا قبیلہ بنو اسد کہلاتا ہے۔ ان کے دادا کا نام ریاب (یا رئاب) بن یعمر تھا۔ ابن سعد نے حضرت عبداللہ کے قبیلے کو ان کے ساتویں جد کی نسبت سے بنوغنم بن دودان کا نام دیا ہے، دودان اسد بن خزیمہ کے پوتے تھے۔ بنو اسد بن خزیمہ سیدنا عثمان کے قبیلۂ بنوامیہ (بنوعبدشمس یا حرب بن امیہ) کے حلیف تھے۔ ابومحمد حضرت عبداللہ کی کنیت تھی۔

حضرت عبداللہ بن جحش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد تھے، ان کی والدہ امیمہ بنت عبدالمطلب آپ کی پھوپھی تھیں۔ ابولہب کی باندی ثوبیہ نے پہلے حضرت حمزہ پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے بعد حضرت ابوسلمہ کو دودھ پلایا۔ اگر یہ روایت درست ہے کہ حضرت عبداللہ بن جحش نے بھی ثوبیہ کا دودھ پی رکھا تھا تو لامحالہ ان کا زمانۂ رضاعت موخر ہوگا، کیونکہ وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ سلم کے بعد پیدا ہوئے۔ ثوبیہ کے بیٹے مسروح آپ کے دودھ شریک بھائی تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ نے ثوبیہ اور مسروح کے بارے میں دریافت فرمایا تو معلوم ہوا کہ دونوں وفات پا چکے ہیں۔

بعثت نبوی سے پہلے کا زمانہ فترۃ کہلاتا ہے، یعنی وہ دور جب انبیاے گذشتہ سے ملنے والی ہدایت لوگوں کے ذہنوں سے محو ہو چکی تھی اور نبی آخرالزمان کا ابھی ظہور نہ ہوا تھا۔ اس زمانے میں بھی معدودے چند لوگ تھے جو شرک سے دور اور توحید پر قائم تھے، انھیں روز قیامت اپنے رب سے ملنے کا انتظار تھا۔ ان راست کردار نفوس میں جہاں اصحاب اخدود*، حضرت خالد بن سنان، حضرت قس بن ساعدہ، حضرت زید بن عمرو بن نفیل اور حضرت ورقہ بن نوفل کا ذکر کیا گیا ہے، وہاں حضرت عبداللہ بن جحش کا نام بھی لیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ زید بن عمرو بن نفیل کی طرح دین

* کھائی میں پھینک کر آگ سے جلا دیے جانے والے اہل ایمان: سورۂ بروج۔

ابراہیم کی طرف مائل تھے، جبکہ ان کے بھائی عبیداللہ بن جحش پر نصرانیت کا غلبہ رہا۔ بت پرستی سے نفرت رکھنے اور دین حنیف کی طرف میلان رکھنے کی وجہ سے حضرت عبداللہ کو السابقون الاولون میں شامل ہونے کی سعادت حاصل ہوئی۔ وہ حضرت ابوبکر کی دعوت پر ایمان لائے، ابھی آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دار ارقم میں تبلیغی سرگرمیوں کا آغاز نہ کیا تھا۔ اسلام کی طرف سبقت کرنے میں ان کا نمبر اکتیسواں تھا۔ عام خیال یہی ہے کہ حضرت عبداللہ کے والد جحش بعثت نبوی سے پہلے انتقال کر چکے تھے، تاہم ایک روایت ہے کہ وہ زندہ تھے اور نعمت ایمان سے سرفراز ہوئے۔ جحش کے کل چھ بچے تھے، تاریخ اسلامی میں ہر ایک کا اہم مقام ہوا۔ عبیداللہ بن جحش اور ابواحمد بن جحش حضرت عبداللہ کے ساتھ ہی ایمان لائے۔ ام المومنین حضرت زینب بنت جحش، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی اہلیہ حضرت ام حبیبہ بنت جحش، حضرت مصعب بن عمیر کی زوجہ حضرت حمنہ بنت جحش، حضرت عبداللہ بن جحش کی بہنیں تھیں۔

نبوت کے پانچویں سال قریش کے مظالم سے تنگ آئے ہوئے اہل ایمان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہہ کر حبشہ ہجرت کرنے کی ہدایت فرمائی کہ وہاں جس بادشاہ کی حکومت ہے، اس کے ہاں ظلم نہیں ہوتا۔ حبشہ امن اور سچائی کی سرزمین ہے، (تم وہاں اس وقت تک قیام کر سکتے ہو) جب تک اللہ تمھارے لیے شدائد سے چھٹکارے کی راہ نہ نکال دے۔ چنانچہ ماہ رجب میں پندرہ یا سولہ مرد و عورتوں کا پہلا قافلہ حبشہ روانہ ہوا۔ چند ماہ کے بعد دو کشتیوں پر سوار سڑسٹھ اہل ایمان کا دوسرا گروپ نکلا جس کی قیادت حضرت جعفر بن ابوطالب نے کی، اسے ہجرت ثانیہ کہا جاتا ہے، حضرت عبداللہ بن جحش اور عبیداللہ بن جحش ان میں شامل تھے۔ عبیداللہ کی بیوی ام حبیبہ بنت ابوسفیان ان کے ساتھ تھیں۔ اس طرح دونوں گروپوں کے مہاجرین کی مجموعی تعداد تراسی ہو گئی۔ کچھ عرصہ کے بعد مشرکین قریش کے ایمان لانے اور ان کی طرف سے مسلمانوں پر ہونے والا تشدد بند ہونے کی افواہ حبشہ پہنچی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک تعداد نے مکہ واپسی کا قصد کیا، حضرت عبداللہ بن جحش ان میں سے ایک تھے۔ اس خبر کے غلط ثابت ہونے پر کچھ مہاجرین حبشہ لوٹ گئے، تاہم حضرت عبداللہ بن جحش ان تینتیس اصحاب میں سے تھے جو مکہ میں مقیم ہو گئے اور یہیں سے مدینہ کو ہجرت کی۔ قیام حبشہ کے دوران میں حضرت عبداللہ کے بھائی عبیداللہ بن جحش مرتد ہو کر عیسائی ہو گئے اور اپنی وفات تک وہیں رہے۔

''اردو دائرۂ معارف اسلامیہ'' کے مضمون نگار کا کہنا ہے: ''عبداللہ بن جحش 'حلف' (اتحاد قبائل) کے ایک گروہ کے ممتاز ترین فرد تھے۔ اس 'حلف' میں ان کی بہن زینب بھی شامل تھیں۔'' کوشش کے باوجود ہمیں اس کا مصداق نہیں مل سکا۔ عربوں کے مشہور معاہدین 'احلاف'، 'مطیبین' اور 'حلف الفضول' کے ارکان میں حضرت عبداللہ کا نام شامل نہیں۔

انصار کے قبول اسلام کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل ایمان کو مدینہ ہجرت کرنے کا اذن دیا تو حضرت

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

ابوسلمہ نے پہلے مہاجر ہونے کا شرف حاصل کیا۔ان کے بعد حضرت عامر بن ربیعہ، حضرت عبداللہ بن جحش، ان کی اہلیہ اور نابینا بھائی ابواحمد عبد دار ہجرت پہنچے اور قبا میں بنو عمرو بن عوف کے محلّہ میں مبشر بن عبدالمنذر کے ہاں مقیم ہوئے۔ حضرت عبداللہ کے اعزہ عکاشہ بن محصن، ابوسنان بن محصن، سنان بن ابوسفیان، شجاع بن وہب، عقبہ بن وہب، اربد بن حمیر (یا حمیرہ)، منقذ بن نباتہ، سعید بن رقیش، یزید بن رقیش، محرز بن نضلہ، قیس بن جابر، عمرو بن محصن، مالک بن عمرو، صفوان بن عمرو، ثقف بن عمرو، ربیعہ بن اکثم، تمام بن عبیدہ، سخبرہ بن عبیدہ اور زبیر بن عبیدہ نے بھی ہجرت کی اور مبشر بن عبدالمنذر ہی کے ہاں ٹھیرے۔ بنو غنم کی خواتین میں سے زینب بنت جحش، حمنہ بنت جحش، ام حبیب بنت جحش، جدامہ بنت جندل، ام قیس بنت محصن، ام حبیب بنت ثمامہ، آمنہ بنت رقیش اور سخبرہ بنت تمیم نے مردوں کا ساتھ دیا۔ پھر مسلمانوں کی اکثریت نے ہجرت کے لیے رخت سفر باندھ لیا، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲/ربیع الاول کو تشریف لائے۔

بنو غنم کے تمام مرد و عورت مدینہ ہجرت کر گئے تو ان کے گھروں کو تالے لگ گئے۔ ردم کے مقام پر واقع حضرت عبداللہ بن جحش کا گھر بھی مقفل ہو گیا۔ بنو غنم کی طرح بنو ابو بکیر اور بنو مظعون کے گھر بھی مکینوں سے خالی ہو گئے۔

ایک بار عتبہ بن ربیعہ، عباس بن عبدالمطلب اور ابوجہل بالائی مکہ جاتے ہوئے بنو جحش کے مکان کے پاس سے گزرے۔ عتبہ نے اسے دروازہ بند، بے آباد دیکھ کر سرد آہ بھری اور ابو دواد ایادی کا یہ شعر پڑھا:

و کل دار و إن طالت سلامتها　　　یومًا ستدرکها النکباء والحوب

''ہر گھر چاہے کتنی دیر صحیح وسالم رہے، ایک دن الٹے رخ کی ہوا چلتی ہے اور اس پر ویرانیاں چھا جاتی ہیں۔''

ابوجہل نے کہا: اس گھر پر کوئی نہ روئے گا۔ پھر عباس سے مخاطب ہوا کہ یہ تمھارے بھتیجے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کام ہے، اس نے ہماری جمعیت کو منتشر کر دیا ہے، قوم کا شیرازہ بکھیر دیا ہے اور ہم میں جدائیاں ڈال دی ہیں۔ کچھ دیر کے بعد ابوسفیان نے اس گھر پر قبضہ کر لیا اور عمرو بن علقمہ کے ہاتھ بیچ دیا۔ حضرت عبداللہ بن جحش کو پتا چلا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا: حضرت عبداللہ، کیا تم اس بات پر خوش نہیں کہ اللہ تمھیں جنت میں اس سے بہتر گھر دے دے گا؟ کیوں نہیں، ابن جحش نے جواب دیا۔ فرمایا: جنت کا یہ گھر تمھیں مل چکا۔ مکہ فتح ہوا تو حضرت عبداللہ کے بھائی ابواحمد نے دوبارہ گھر کی بات چھیڑی۔ آپ نے جواب ٹالا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کو بتایا: ابواحمد، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پسند نہیں کرتے کہ جو مال اللہ کی راہ میں چلا گیا، اس کی واپسی کی کوشش کی جائے۔ ابواحمد نے آپ سے مزید بات نہ کی، تاہم ابوسفیان کو مخاطب کر کے یہ شعر کہہ ڈالے:

أبلغ أباسفیان عن　　　أمر عواقبه ندامه

''ابوسفیان کو اس معاملے کے بارے میں بتا دو جس کے نتائج شرم ساری ہوں گے۔''

دار ابن عمك بعتها   تقضي بها عنك الغرامه

''یعنی اپنے چچیرے کا گھر جو تو نے بیچ ڈالا، اس کا تاوان بھرے گا تو تیرا چھٹکارا ہوگا۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عاصم بن ثابت سے حضرت عبداللہ بن جحش کی مواخات قائم فرمائی۔

اواخر جمادی الثانی ۲ھ (جنوری ۶۲۴ء) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی سرگرمیوں کی خبر لینے کے لیے حضرت عبداللہ بن جحش کی سربراہی میں نو (واقدی کے خیال میں بارہ) مہاجرین کا ایک سریہ روانہ کیا۔ روایات کے مطابق پہلے آپ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح کا تقرر کیا تھا، وہ فرط جذبات سے رونے لگے تو حضرت عبداللہ کو روانہ فرمایا۔ حضرت عبداللہ کے علاوہ حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ، حضرت عکاشہ بن محصن (یا حضرت عمار بن یاسر)، حضرت عتبہ بن غزوان، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عامر بن فہیرہ (دوسری روایت: حضرت عامر بن ربیعہ)، حضرت واقد بن عبداللہ، حضرت خالد بن بکیر اور حضرت سہیل بن بیضا (شاذ روایت: حضرت صفوان بن وہب (بیضا) اس میں شامل تھے۔ یہ چھ اونٹوں پر سوار تھے۔ آپ نے حضرت عبداللہ کو ایک خط بھی دیا اور فرمایا: مدینہ سے مکہ کی جانب دو دن کا سفر (اٹھائیس میل کی مسافت) طے کر لینے کے بعد وادی ملل (یا ابن ضمیرہ کے کنویں پر) پہنچ کر اسے پڑھنا۔ چنانچہ آپ کی ہدایت کے مطابق جب انھوں نے خط کھولا تو لکھا پایا: ''مکہ اور طائف کے بیچ واقع مقام نخلہ کی طرف سفر جاری رکھو، وہاں پہنچ کر قریش کی نگرانی کرو اور ان کے بارے میں معلومات حاصل کرو۔'' حضرت عبداللہ نے آپ کے فرمان پر سمع و طاعت کہہ کر اپنے ساتھیوں سے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ کسی کو زبردستی آگے لے جاؤں۔ جو شہادت کا طلب گار ہے، میرے ساتھ چلے۔ سب چل پڑے، کوئی پیچھے نہ رہا۔ دستہ فرع سے آگے بحران کے مقام پر پہنچا تو حضرت عتبہ بن غزوان اور حضرت سعد کا مشترکہ اونٹ کھو گیا۔ دونوں اسے تلاش کرنے لگ گئے، ابن جحش باقی ساتھیوں کو لے کر چلتے رہے اور نخلہ پہنچ گئے۔ کشمش، کھالیں اور دوسرا سامان تجارت لے کر چار افراد پر مشتمل قریش کا قافلہ گزرا۔ اہل قافلہ انھیں دیکھ کر خوف زدہ ہو گئے تو حضرت عکاشہ نے سر منڈا لیا، کفار کو مغالطہ ہوا کہ مسلمان عمرہ کے لیے جا رہے ہیں اور مطمئن ہو گئے۔ سدّی کا کہنا ہے کہ یہ غزوہ جمادی الثانی کے آخری دن یا حرام مہینے رجب کی پہلی رات (دوسری روایت: رجب کے آخری دن یا حلال مہینے شعبان کی پہلی رات) میں ہوا۔ مسلمانوں نے آپس میں مشورہ کیا، اگر قافلے والوں کو چھوڑ دیا تو یہ حرم پہنچ کر مامون ہو جائیں گے اور اگر قتال کیا تو یہ حرام مہینے میں ہوگا۔ کچھ تردد کے بعد انھوں نے حملے کا فیصلہ کیا۔ مشرک کھانا پکانے میں مصروف تھے، حضرت واقد بن عبداللہ نے تیر مار کر قافلے کے سردار عمرو بن حضرمی کو قتل کر دیا اور عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان کو قید کر لیا۔ نوفل بن عبداللہ فرار ہو گیا۔ ہجرت مدینہ کے بعد یہ ساتویں مہم اور پہلا سریہ تھا جس میں

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

کامیابی ملی، عمرو عہد اسلامی کا پہلا قتیل اور عثمان اور حکم پہلے اسیر تھے۔ ابن کیسان مقداد کی قید میں تھا، ابن جحش اسے قتل کرنا چاہتے تھے، لیکن مقداد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہونے سے پہلے ایسا کرنے سے منع کر دیا۔

حضرت عبداللہ بن جحش نے تاریخ اسلامی میں حاصل ہونے والے پہلے مال غنیمت کی اپنے تئیں تقسیم کر کے ۱/۵ حصہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے رکھ لیا، حالاں کہ خمس کا حکم نازل نہ ہوا تھا اور زمانۂ جاہلیت میں سرداران قوم کے لیے مرباع (۱/۴، ربع غنیمت) مختص کرنے کا رواج رہ چکا تھا۔ یہ بات ایک تمیمی شاعر کے اس مصرعہ سے عیاں ہے:

نحن الرؤوس وفينا يقسم الربع

''ہم سردار ہیں اور ہم ہی میں مال غنیمت کا چوتھا حصہ بانٹا جاتا ہے۔''

اہل سریہ مدینہ پہنچے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تمھیں ماہ حرام، رجب میں جنگ کرنے کو نہیں کہا تھا۔ آپ نے مال غنیمت اور اسیروں کے معاملے میں توقف کیا اور کچھ لینے سے انکار فرما دیا تو صحابہ پشیمان ہو گئے کہ شاید وہ ہلاکت میں پڑ گئے۔ مسلمان بھائیوں نے ان کو برا بھلا کہا، ادھر قریش نے طعنہ زنی شروع کر دی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے اصحاب نے حرام مہینے کی حرمت پامال کی۔ چہ میگوئیاں بڑھ گئیں تو ارشاد ربانی نازل ہوا:

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ. (البقرہ ۲: ۲۱۷)

''آپ سے ماہ حرام میں قتال کرنے کی بابت سوال کرتے ہیں۔ کہہ دیجیے، اس مہینے میں جنگ کرنا بہت برا ہے اور (اس کے ساتھ ساتھ) لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنا، اللہ کو نہ ماننا، مسجد حرام کا راستہ بند کرنا اور حرم کے رہنے والوں کو نکال باہر کرنا اللہ کے ہاں اس سے بھی بدتر ہے اور فتنہ وفساد قتل سے بھی بڑا جرم ہے۔''

اس حکم وحی کے بعد آپ نے مال غنیمت اور قیدیوں کو اپنی تحویل میں لے لیا۔ جب قریش نے اسیر چھڑانے کے لیے فدیہ بھیجا تو آپ نے فرمایا: ہم اپنے ساتھیوں سعد اور عتبہ کے لوٹنے تک فدیہ نہیں لیں گے، کیونکہ ہمیں ان کی جانوں کا اندیشہ ہے۔ دونوں اصحاب صحیح سلامت واپس آ گئے تو آپ نے سولہ سو دینار فدیہ لے کر قریش کے اسیروں عثمان اور حکم کو چھوڑ دیا۔ حکم بن کیسان نے رہائی کے فوراً بعد آپ کی دعوت پر اسلام قبول کر لیا۔

سریۂ عبداللہ بن جحش جنگ بدر کے وقوع کا سبب بنا، کیونکہ اس سے قریش کی معیشت کو سخت دھچکا لگا۔ ان کی تمام تر خوش حالی شام سے تجارت پر موقوف تھی، حبشہ اور یمن سے تجارت کا اتنا حجم نہ تھا کہ وہ اس پر انحصار کر لیتے۔ نخلہ کی اس مہم کا دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ قریش پر مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی عسکری قوت کا رعب بیٹھ گیا۔

حضرت عبداللہ بن جحش کی آل میں سے کسی کی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت کی اسی تقسیم (سپاہیوں

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

کے لیے ۴/۵ اور اللہ اور رسول کے لیے ۱/۵) کو برقرار رکھا جو حضرت عبداللہ نے کی تھی:

وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا غَنِمۡتُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوۡلِ وَلِذِی الۡقُرۡبٰی وَالۡیَتٰمٰی وَالۡمَسٰکِیۡنِ وَابۡنِ السَّبِیۡلِ. (الانفال ۸:۴۱)

''جان لو، تمھیں جو مال غنیمت بھی حاصل ہو، اس کا پانچواں حصہ اللہ، رسول، قرابت داروں، یتیموں، محتاجوں اور مسافروں کے لیے مختص ہوگا۔''

معاملہ نمٹنے کے بعد حضرت عبداللہ اور ان کے ساتھیوں نے آپ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ، آیندہ کوئی غزوہ ہو تو کیا ہم مجاہدین کے لیے مال غنیمت کی توقع رکھیں؟ مکرر وحی نازل ہوئی:

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَالَّذِیۡنَ هَاجَرُوۡا وَجٰهَدُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِکَ یَرۡجُوۡنَ رَحۡمَتَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ. (البقرہ ۲:۲۱۸)

''یقیناً جو ایمان لائے اور جنھوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا، وہ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ بخشنے والا، مہربان ہے۔''

حضرت سعد بن ابی وقاص کی روایت ہے کہ بنوکنانہ کی مہم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے ہوئے دستے کے افراد میں اختلاف راے ہو گیا۔ کچھ مدینہ واپس آ گئے، کچھ نے قریش کے قافلے پر حملہ کیا۔ اس پر آپ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ فرمایا: ''تم میرے پاس سے اکٹھے گئے اور الگ الگ لوٹے ہو۔ تم سے پہلی امتوں کو تفرقے ہی نے ہلاک کیا۔ میں ایسے شخص کو تمھارا امیر بناؤں گا جو تم میں سے بہترین نہیں (لیکن) تم سب سے بڑھ کر بھوک، پیاس برداشت کر سکتا ہے۔'' پھر آپ نے نخلہ کی طرف سریہ (سریۂ عبداللہ بن جحش) مبعوث کیا اور حضرت عبداللہ بن جحش کو عہد اسلامی کا پہلا امیر مقرر فرمایا (احمد، رقم ۱۵۳۹)۔ ایک روایت کے مطابق پہلا علم بھی ان کے سریہ کو ملا، اسی سریہ میں انھیں امیر المومنین کا خطاب ملا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ عبیدہ بن حارث ثنیۃ المرۃ کو جانے والے سریہ میں پہلے امیر مقرر ہوئے، جبکہ مدائنی کے مطابق ساحل سمندر 'سیف البحر' پر واقع مقام عیص کی طرف روانہ کیے جانے والے سریہ میں حضرت حمزہ کو پہلا علم عطا ہوا۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

حضرت عبداللہ بن جحش نے جنگ بدر میں حصہ لیا۔ عمرو بن حضرمی کا انتقام لینا جنگ بدر کی ایک اہم غایت تھی، اس لیے حضرت واقد بن عبداللہ جنھوں نے عمرو کو قتل کیا اور حضرت عبداللہ بن جحش جو اس مہم کے امیر تھے، مشرکوں کا ٹارگٹ تھے۔ اللہ کا کرنا ہے کہ اس غزوہ میں دونوں ان کے ہاتھ نہ آ سکے۔ اس وقت کفار کے لشکر میں شامل حکیم بن حزام بیان کرتے ہیں کہ میدان بدر پہنچنے کے بعد میں عتبہ بن ربیعہ کے پاس آیا اور کہا: ابوولید، کیا تم چاہتے ہو کہ آج کے معرکے کا شرف ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تمھیں مل جائے؟ تمھیں اپنے ایک حلیف عمرو بن حضرمی کا بدلہ ہی لینا ہے، اس کی دیت لے کر واپس چلو۔ عتبہ نے یہ بات ابوجہل سے کرنے کو کہا۔ میں نے اسے یہ سجھاؤ دیا تو وہ عتبہ کے پاس آیا اور غصے سے بولا: خوف سے تمھارے پھیپھڑے پھول گئے ہیں اور دل حلق کو آ رہا ہے؟ عتبہ نے گالی دے کر

کہا: جلد پتا چل جائے گا کہ کس کے پھیپھڑے پھولے ہیں۔ پھر اس نے سپاہیوں سے خود مانگا، کوئی خود سر پر پورا نہ آیا تو اس نے چادر ہی لپیٹ لی اور جنگ کا آغاز ہو گیا۔ مشرکین کو شکست فاش ہوئی، اختتام جنگ پر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اسیروں کے بارے میں سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے مشورہ کیا تو حضرت عبداللہ بن جحش کی رائے بھی لی۔ حضرت ابوبکر نے کہا: ''یارسول اللہ، یہ آپ کی اپنی قوم کے لوگ اور اعزہ واقارب ہیں، انھیں زندہ رہنے دیجیے اور ان سے نرمی برتیں، ہو سکتا ہے کہ اللہ انھیں توبہ کی توفیق دے دے۔'' سیدنا عمر کا کہنا تھا: ''یارسول اللہ، انھی لوگوں نے آپ کو شہر مکہ سے نکالا اور آپ کی تکذیب کی۔ ان کی گردنیں اڑا کر جی کو ٹھنڈا کریں۔'' حضرت عبداللہ بن رواحہ نے سجھاؤ دیا: ''یارسول اللہ، اس وادی کو دیکھیں جس میں بے شمار بالن ہے، مشرکوں کو اس ایندھن میں گھسیڑ کر آگ لگا دیں'' (احمد، رقم ۳۶۳۲)۔ حضرت عبداللہ بن جحش کا مشورہ بھی یہی تھا، وہ کھڑے ہو گئے اور کہا: یارسول اللہ، یہ اللہ کے دشمن ہیں، آپ کو جھٹلایا، اذیتیں پہنچائیں، انھوں ہی نے آپ کو آپ کے شہر سے نکالا اور آپ سے جنگ پر اتر آئے۔ آپ ایسی وادی میں قیام پذیر ہیں جس میں کثرت سے لکڑی پائی جاتی ہے۔ ان کافروں اور مشرکوں کے لیے بہت سی لکڑیاں جمع کریں، پھر ان پر رکھ کر آگ دہکا دیں۔ ''مسند احمد'' کی یہ روایت (رقم ۳۴۶۴) منقطع السند ہے، تاہم ''مستدرک حاکم'' کی اس سے ملتی جلتی ایک روایت کو حاکم نے صحیح السند قرار دیا ہے (رقم ۴۳۰۴)۔

۳ھ میں جنگ احد ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احد پہنچے تو شیخان کے مقام کے پاس پڑاؤ ڈالا۔ صبح سویرے حضرت ام سلمہ نے بھنی ہوئی ران آپ کو پیش کی، اسے کھانے کے بعد آپ نے نبیذ نوش فرمائی۔ ایک اور صحابی نے پی تو حضرت عبداللہ بن جحش نے بھی گھونٹ بھرا۔ ایک شخص نے ابن جحش سے سوال کیا: کیا آپ جانتے ہیں کہ کل کہاں ہوں گے؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں، میں اللہ کے حضور پیش ہوں گا۔ میں پیاسا رہنے کے بجائے سیر ہو کر اللہ سے ملاقات کرنا زیادہ پسند کروں گا۔

حضرت عبداللہ بن جحش نے جنگ احد میں جام شہادت نوش کیا۔ اس دن ان کی تلوار ٹوٹ گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کی ایک شاخ انھیں دی جو ان کے ہاتھ میں آ کر تلوار بن گئی، جبکہ دستہ کھجور ہی کا رہا۔ کچھ عرصہ کے بعد یہ تلوار ترک باغیوں کے آگے دو سو دینار میں بکی۔ حضرت ابن جحش نے اس روز شہادت کی دعا مانگی جو قبول ہوئی۔ انھوں نے حضرت سعد بن ابی وقاص سے کہا: چلو، ہم مل کر دعا مانگتے ہیں۔ دونوں ایک طرف کونے میں ہو کر خلوت میں ہو گئے تو حضرت سعد نے یہ دعا مانگی: ''اے رب، کل ہم دشمن سے جنگ کریں تو میرے مقابل ایسا جنگجو لانا جو بہت غصے والا ہو، میں تیری راہ میں اس سے لڑوں، پھر مجھے اس پر فتح دینا، میں اسے مار ڈالوں اور اس کے ساز و سامان پر قبضہ کر لوں۔'' حضرت عبداللہ بن جحش نے ان کی دعا پر آمین کہا اور خود اللہ کے حضور یہ التجا کی: ''اے اللہ، میرے مقابلے میں ایسا دشمن لانا جو بہت تند ہو اور سخت جنگ کرتا ہو۔ میں تیری راہ میں اس سے قتال کروں، آخر کار

وہ مجھ پر قابو پا لے اور میرا ناک، میرے کان کاٹ ڈالے۔ روز جزا جب میری تجھ سے ملاقات ہو اور تو پوچھے کہ تمھارے ناک کان کیوں کاٹے گئے؟ میں کہوں کہ یہ تیری اور تیرے رسول کی راہ میں ہوا اور تو میری تصدیق کرے۔ دوسری روایت میں یہ اضافہ ہے کہ اے اللہ، میں تمھیں قسم دیتا ہوں، دشمن مجھے قتل کرے، میرا پیٹ پھاڑے اور میرا مثلہ کرے۔ حضرت سعد کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن جحش کی دعا میری دعا سے بہتر تھی۔ وہ دن گزرا تو میں نے دیکھا کہ ان کے کان اور ناک ایک رسی سے لٹکے ہوئے ہیں۔ ان کی دعا قبول ہوئی اور ان کا مثلہ کیا گیا۔ حضرت سعید بن مسیّب کہتے ہیں کہ اللہ نے ان کی قسم پوری کی۔ ہمیں توقع ہے کہ روز قیامت ان کی قسم کا باقی حصہ بھی پورا ہو گا۔ حضرت زبیر بن عوام کہتے ہیں کہ 'المجدع فی اللّٰه' (اللہ کی راہ میں نکٹا، بوچا ہونے والا) حضرت عبداللہ کا لقب ہو گیا۔ ابوحکم بن اخنس ثقفی نے حضرت عبداللہ سے قتال کیا اور اسی کی ضرب سے وہ شہید ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ اور حضرت عبداللہ بن جحش کی نماز جنازہ پڑھائی، حضرت عبداللہ اور ان کے ماموں حضرت حمزہ، دونوں کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبر کے کنارے پر بیٹھے رہے، جبکہ سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر، سیدنا علی اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم قبر میں اترے۔ طبری کہتے ہیں کہ تدفین کی یہ روایت حضرت عبداللہ کی آل کے علاوہ کسی نے بیان نہیں کی۔ حضرت ابن جحش کی عمر چالیس برس (یا کچھ زیادہ) ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن جحش کا مثلہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے اس سریہ کی قیادت کی تھی جس میں مشرکوں کا رئیس ابن رئیس عمرو بن حضرمی مارا گیا تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنگ احد سے فارغ ہونے کے بعد مدینہ تشریف لائے تو حضرت حمنہ بنت جحش سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ حضرت حمنہ کو ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن جحش کی شہادت کی خبر ملی تو انھوں نے 'انا للہ وانا الیہ راجعون' کہا اور دعاے مغفرت کی۔ ان کے ماموں حضرت حمزہ کی شہادت کے بارے میں بتایا گیا تو بھی انھوں نے 'انا للہ' کہہ کر مغفرت کی دعا مانگی اور جب انھیں اپنے شوہر حضرت مصعب بن عمیر کے شہید ہونے کا پتا چلا تو وہ چلائیں اور آہ و بکا کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ بھائی اور ماموں کی وفات کی خبر سن کر انھوں نے صبر کا مظاہرہ کیا، لیکن خاوند کی شہادت کا سن کر گریہ کیا تو فرمایا: عورت کے نزدیک اس کے شوہر کا ایک مقام ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن جحش کی شہادت کے بعد ان کے ترکے کی نگہداشت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمائی۔ آپ نے ان کے بیٹے کے لیے خیبر میں مال مویشی لے لیے۔

دور اموی میں حضرت عبداللہ بن جحش کا ایک بیٹا دار مروان آیا اور اپنا حسب نسب بتا کر وظیفہ کی درخواست کی۔ ہشام بن عبدالملک نے اپنے بیٹے کو وظائف کی تقسیم پر بٹھا رکھا تھا۔ اس نے حضرت عبداللہ کے بیٹے کو تو کچھ نہ دیا، لیکن اسی وقت کندہ کا ابن ابی تجراۃ آیا اور بتایا کہ وہ ایک سفر میں عمار بن ولید کے ساتھ رہا ہے جو ابن ہشام کا چچا

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

تھا۔اس کے لیےفوراًوظیفہ جاری ہوگیا۔

حضرت عبداللہ بن جحش میانہ قد تھے۔ان کے جسم پر بہت بال تھے۔حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کی گئی ہے کہ جنگ بدر ہوئی تو عبداللہ بن جحش اورابن ام مکتوم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: ہم نابینا ہیں تو ہمیں رخصت ملے گی؟ (ترمذی، رقم ۳۰۳۲)، یہ راوی کا سہو ہے، کیونکہ نابینا حضرت عبداللہ نہیں، بلکہ ان کے بھائی ابواحمد عبد بن جحش تھے۔ چنانچہ طبری نے اس روایت کواسی سند کے ساتھ اپنی تفسیر میں نقل کیا تو اس غلطی کی تصحیح کر دی۔ ابن حجر نے صراحت کی ہے کہ یہ سہو نچلے راوی ابن جریج کا ہے (فتح الباری)۔ گویا اس نے روایت بیان کرتے ہوئے عبد بن جحش کوحضرت عبداللہ بن جحش بول دیا اور بعد میں یہی نقل ہوتا رہا۔

حضرت عبداللہ بن جحش کی شادی سیدہ خدیجہ کی چچا زاد فاطمہ بنت ابوحبیش سے ہوئی جن سے محمد تولد ہوئے۔ دوسری شادی بنومناف کی زینب بنت خزیمہ (ام المساکین) سے ہوئی جوان کی شہادت کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں اور جلد ہی تیس سال کی عمر میں وفات پا گئیں۔طبری کی روایت کے مطابق حضرت زینب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے سے پہلے حضرت عبداللہ بن جحش نہیں، بلکہ عبیدہ بن حارث کے بھائی طفیل بن حارث کی زوجیت میں تھیں۔علامہ شبلی نعمانی نے ''سیرت النبی'' میں اس روایت کواختیار نہیں کیا۔

حضرت عبداللہ بن جحش سے سعد بن ابی وقاص نے براہ راست اور سعید بن مسیّب نے سماع نہ ہوتے ہوئے مرسل حدیث روایت کی۔ان کی روایات ترمذی اور مسند احمد میں موجود ہیں۔

اہل تاریخ نے حضرت عبداللہ بن جحش اوران کے بھائی عبیداللہ کی سوانح کوخلط ملط کیا ہے۔عام تاریخ نگاروں نے عبیداللہ کے حالات زندگی میں جو بیان کیا ہے،''مروج الذہب ومعادن الجوہر'' میں مسعودی نے اسے حضرت عبداللہ کے سوانحی خاکے میں جڑ دیا ہے۔

مطالعۂ مزید: السیرۃ النبویۃ (ابن ہشام)، الطبقات الکبریٰ (ابن سعد)، جامع البیان فی تاویل آی القرآن (طبری)، تاریخ الامم والملوک (طبری)، الاغانی (ابوفرج اصفہانی)، المنتظم فی تواریخ الملوک والامم (ابن جوزی)، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (ابن عبدالبر)، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ (ابن اثیر)، الکامل فی التاریخ (ابن اثیر)، البدایۃ والنہایۃ (ابن کثیر)، تاریخ الاسلام (ذہبی)، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ (ابن حجر)، اردو دائرۂ معارف اسلامیہ (مقالہ:Montgomery Walt)، المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام (جواد علی)، Wikipedia۔

رضوان اللہ

قوّامیت رجال

تمہید

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

شوہر اور بیوی کی حیثیت میں مرد وزن کا آپس کا تعلق کس نوعیت کا ہے، یہ محض باہمی رفاقت کا ایک معاہدہ ہے یا پھر جبلی تقاضوں کو پورا کرنے کا کوئی انتظام ہے؟ اس تعلق میں فریقین کی حیثیت کیا ہوتی ہے، کیا بائع اور مشتری کی طرح یہ بالکل برابر کی سطح پر ہوتے ہیں یا پھر ان میں سے ایک حاکم اور دوسرا اس کی مفتوح ومغلوب رعایا ہوتا ہے؟ اس تعلق میں بندھ جانے کے بعد دونوں کے درمیان میں تقسیم کار کس طرح ہوتی ہے، کیا ایک کی قسمت میں صرف حقوق اور دوسرے کے نصیب میں محض ذمہ داریاں آتی ہیں یا پھر ترازو کی تول ان دونوں میں تقسیم کار ہوتی ہے؟ اس تعلق میں دراڑ پڑتی ہو تو کیا کرنا چاہیے، اسے بے دھڑک توڑ تاڑ کر دل پھینک بھنورے کی طرح فوراً کسی اور پھول کی تلاش میں نکل جانا چاہیے یا پھر اسے پاؤں کی بیڑی قرار دے کر زندگی کو ایک زنداں بنا لینا چاہیے؟ یہ سب اور اسی طرح کے کچھ دوسرے سوالات ہیں جو سماجی اور مذہبی علوم میں ہمیشہ سے بڑی اہمیت کے حامل رہے ہیں۔ قطع نظر اس سے کہ سماجیات کے ماہرین ان کے بارے میں کیا کہتے ہیں، مذہبی علما اور وہ بھی مسلمان علما کی طرف سے اس ضمن میں جو کچھ کہا گیا ہے، وہ بھی اپنے اندر اتنا تنوع، اور صحیح تر الفاظ میں، اس قدر اختلاف رکھتا ہے کہ ایک طالب علم کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ حقائق کا پتا چلائے، اور معلوم کرے کہ اس معاملے میں اسلام کی اپنی تعلیمات، درحقیقت ہیں کیا؟ زیر نظر ہمارا یہ مقالہ، اصل میں اسی سلسلے کی ایک کڑی اور خالص دلیل کی بنیاد پر اس نوع کے

سوالات حل کرنے کی ایک طالب علمانہ کوشش ہے۔

مذکورہ سوالات کے علماے اسلام کی طرف سے، جیسا کہ ہم نے عرض کیا، بہت سے جوابات دیے گئے ہیں، مگر ان سب میں قرآن مجید سے استدلال کا طریق اور اس سے تفہیم مدعا کا طرز، بالعموم تین ہی طرح کا رہا ہے:

۱۔ مرد و زن کے بارے میں معاشرے کی موجودہ روایات اور اس کے عرف کو اس طرز میں پہلے اصل قرار دے لیا گیا اور پھر اسی کی روشنی میں قرآنی ہدایات کو پڑھنے اور ان سے احکام کو اخذ کرنے کا کام شروع کر دیا گیا۔ اس سلسلے میں، البتہ اس بات کا لحاظ رہا کہ جو عالم مشرق یا مغرب، جس معاشرے سے تعلق رکھتا تھا، اسے صرف اُسی کی روایات کا پاس اور قرآن میں انھی کی تلاش سے مطلب رہا۔ تاہم اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہوتا رہا کہ جب دوسروں سے مرعوبیت کا ذہن بنا یا پھر مروّجہ قدروں کے ردّعمل میں کچھ نئی قدریں پیدا ہو گئیں تو انھی کو حق اور سچ جان کر ان کے لیے مذہبی بنیادیں فراہم کرنے کا بیڑا بھی اٹھا لیا گیا۔

۲۔ ایک طرز یہ رہا کہ مذکورہ بالا طریق جن دو انتہاؤں کو جنم دیتا تھا، بعض حضرات کے ہاں ان میں موافقت پیدا کرنے اور ان کے مقابلے میں ایک معتدل راے پیش کرنے کا جذبہ پروان چڑھا۔ انھوں نے خارج میں ایک ''معتدل'' اور نہایت ''متوازن'' راے قائم کی، اسے بیان کرنا دینی و اخلاقی فرض جانا اور آخر کار اسی کے رنگ میں سب قرآنی ہدایات کو رنگ کر رکھ دیا۔

۳۔ اس موضوع پر کلام کرنے کا یہ انداز بھی ہر دور میں متداول رہا کہ ہر چیز سے بالاتر ہو کر قرآن کو پڑھا گیا۔ اس کا مفہوم طے کرنے میں کسی ماحول کو دخل ہوا اور نہ کسی مقصد کو۔ بس یہ ہوا کہ قرآن کی اپنی بات کو سمجھ لیا گیا اور پھر اسے ہی خدا کی ہدایت کی حیثیت سے بیان کر دیا گیا۔

صاف واضح ہے کہ اول الذکر دو طریق تو ایسے ہیں کہ ان میں کچھ اہداف پہلے سے مقرر کر لیے گئے اور پھر انھی کو قرآن کا نام دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس لحاظ سے یہ خارج کو قرآن میں داخل کر دینے کا عمل ہے، اور اسی وجہ سے غیر علمی اور حق سے ہٹا ہوا ایک عمل ہے۔ ان کے مقابلے میں جو تیسرا طریق ہے، تو اس میں قرآن مجید کو ویسا ہی دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے، جیسا کہ وہ حقیقت میں ہے۔ اگرچہ اس میں بھی ایک مسئلہ ضرور درپیش رہا ہے کہ نقص علم جب آڑے آیا یا کج فہمی اور تدبر کی کمی نے جو کبھی آفت ڈھا دی تو نتیجہ اس کا بھی یہی ہوا کہ سارے کا سارا قرآن خارجی نظریات کی بازگشت بن کر رہ گیا، تاہم کسی شے کو پڑھنے کا علمی طرز چونکہ صرف یہی ہے، اس لیے ہمیں بھی اس تحریر میں اسے ہی اختیار کرنا ہے۔ مرد و زن کے بارے میں کون کیا کہتا ہے، اس بات سے قطعی طور پر بے نیاز ہو کر

قرآن ہی کو دیکھنا اور اسی سے اس کی ہدایت کو پانے کی کوشش کرنا ہے۔

قرآن مجید کی دو آیات ایسی ہیں جو ہمارے خیال میں اس مقصد کے لیے حد درجہ کفایت کرتی ہیں۔ انھیں اگر ٹھیک طریقے سے پڑھ لیا جائے تو جس طرح مذکورہ بالا تمام سوالوں کا تسلی بخش جواب ہو جاتا ہے، اسی طرح ان معاملات میں اسلامی نقطۂ نظر اصلاً ہے کیا، وہ بھی واضح ہو کر سامنے آ جاتا ہے۔ مزید یہ کہ اُن آرا پر بھی ایک طرح کا تبصرہ ہو جاتا ہے جن میں خارج کے نظریات قرآن میں ڈھونڈنے کا عمل ہوتا، ملّی روایات کو عین اسلامی قرار دیا جاتا یا پھر قرآن ہی کے نام سے غیر قرآنی نظریات کو پیش کر دیا جاتا ہے۔ آیندہ کے صفحات میں ہم ان آیات کا مطالعہ کریں گے اور اس ضمن میں پیدا ہونے والے عمومی شبہات کا ذکر اور قرآن ہی کی روشنی میں ان کا حل پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔ وہ عظیم الشان دو آیات یہ ہیں:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰہُ بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِھِمْ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰہُ وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَھُنَّ فَعِظُوْھُنَّ وَاھْجُرُوْھُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْھُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَکُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَیْھِنَّ سَبِیْلًا اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیًّا کَبِیْرًا، وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِھِمَا فَابْعَثُوْا حَکَمًا مِّنْ اَھْلِہٖ وَحَکَمًا مِّنْ اَھْلِھَا اِنْ یُّرِیْدَآ اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰہُ بَیْنَھُمَا اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیْمًا خَبِیْرًا. (النساء ۴: ۳۴-۳۵)

’’مرد عورتوں کے سربراہ بنائے گئے ہیں، اس لیے کہ اللہ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت بخشی ہے اور اس لیے کہ انھوں نے اپنے مال خرچ کیے ہیں۔ پھر جو نیک عورتیں ہیں، وہ فرماں بردار ہوتی ہیں، رازوں کی حفاظت کرتی ہیں، اس بنا پر کہ اللہ نے بھی رازوں کی حفاظت کی ہے۔ جن عورتوں سے تمھیں سرکشی کا اندیشہ ہو، انھیں نصیحت کرو اور ان کے بستروں پر انھیں تنہا چھوڑ دو اور انھیں سزا دو۔ پھر اگر وہ تمھاری اطاعت کا رویہ اختیار کر لیں تو ان پر الزام کی راہ نہ ڈھونڈو۔ بے شک، اللہ بہت بلند ہے، وہ بہت بڑا ہے۔ اور اگر تم میاں اور بیوی کے درمیان افتراق کا اندیشہ محسوس کرو تو ایک حَکم مرد کے لوگوں میں سے اور ایک عورت کے لوگوں میں سے مقرر کر دو۔ اگر دونوں اصلاح چاہیں گے تو اللہ ان کے درمیان موافقت پیدا کر دے گا۔ بے شک، اللہ علیم و خبیر ہے۔‘‘

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

قوّامیت رجال

'اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ' (مرد عورتوں کے قوّام ہیں)۔ یہ جملہ خدا کی شریعت کا بیان ہے۔ اس میں مرد سے مراد شوہر اور عورتوں سے مراد اصل میں انھی کی عورتیں، یعنی بیویاں ہیں۔ اور قوّام سے مراد ان شوہروں کا منتظم اور سربراہ ہونا ہے۔ یہ آیت کا سادہ مفہوم ہے جو بنا کسی رکاوٹ کے سمجھ میں آتا اور بادی النظر میں قرآن کے ہر اُس طالب علم پر واضح ہو جاتا ہے جو اِس کی زبان سے آشنائی، اس کے اسالیب کی پرکھ اور اس کے اندازِ بیان سے کماحقہٗ واقفیت رکھتا ہے۔ البتہ بعض حضرات ایسے بھی ہیں جن کے لیے اس جملے سے مذکورہ مفہوم کو اخذ کر لینا ممکن نہیں رہا۔ اس کی وجہ دراصل ان کے کچھ علمی شبہات ہیں۔ ہم ذیل میں انھی شبہات اور ان کی اصل حقیقت کو بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں:

۱۔ آیت میں چونکہ 'اَلرِّجَال' اور 'اَلنِّسَآء' کے الفاظ آئے ہیں کہ جن کا اصل معنی شوہر اور بیوی نہیں، بلکہ مرد اور عورت ہے، اس لیے بعض حضرات کو یہ خیال ہوا کہ اسلام میں ہر مرد کو ہر عورت پر قوّام بنایا گیا ہے۔ یعنی جس طرح شوہر بیوی کا قوام ہے، اسی طرح باپ بیٹی کا، بھائی بہن کا اور بیٹا ماں کا قوام ہے، حتیٰ کہ مرد بحیثیت مجموعی اپنے معاشرے کی ہر عورت کا قوام ہے۔ یہ خیال اس لیے پیدا ہوا کہ یہ حضرات زبان کے ایک عمومی اسلوب کا لحاظ نہیں کر پائے کہ جس سے اہل علم عام طور پر واقف ہی ہیں۔ وہ یہ کہ بعض اوقات گفتگو میں الفاظ تو عام بولے جاتے ہیں، مگر ان کا موقع استعمال ان میں ایک طرح کی تخصیص پیدا کر دیتا ہے۔ عام لفظ کا اس طرح تخصیص میں چلے جانے کا یہ اسلوب، کم و بیش ہر زبان میں ایک مسلّم قاعدے کی حیثیت رکھتا اور اہل زبان کی بول چال اور ان کی تحریر و تقریر میں، بالعموم شائع و ذائع ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ''مرد نان و نفقہ کا بار اٹھا کر بچوں سے بے پروا ہو جاتے ہیں اور ان کے لیے اصل قربانی تو عورت دیتی ہے'' تو بنا کسی اُلجھن اور تکلف میں پڑے سبھی یہ جان لیتے ہیں کہ اس جملے میں عورت اور مرد سے ان دونوں کی پوری جنس نہیں، بلکہ صرف ماں اور صرف باپ مراد ہیں۔ یہی اسلوب ہے جو مذکورہ آیت میں استعمال ہوا ہے۔ اس میں 'اَلرِّجَال' اور 'اَلنِّسَآء' کے الفاظ اگرچہ عام ہیں، مگر ان کے بارے میں آنے والی وضاحتیں اور مختلف نوع کی ہدایات آخری درجے میں واضح کر دیتی ہیں کہ ان سے

مراد سب مرد و عورت نہیں، بلکہ صرف میاں اور بیوی ہیں۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ اس طرح کے اسالیب کو برتنے میں محض زبان کی خوب صورتی کا لحاظ نہیں ہوتا، بلکہ کوئی نہ کوئی معنویت بھی اس کا باعث ہوا کرتی ہے کہ جس کا ابلاغ متکلم کے پیش نظر ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ کیا مدعا ہے کہ جس کے لیے قرآن نے عربی زبان میں زن وشو کے لیے مستعمل خاص لفظوں کے بجاے ان عام لفظوں کو استعمال کیا ہے؟ یہ مدعا، اس آیت کے سیاق پر نظر ہو تو بآسانی سمجھ میں آ سکتا ہے۔ اس آیت کی تمہید آیت ۳۲ پر اٹھائی گئی ہے یا دوسرے لفظوں میں آیت ۳۲ کی اصل ہے کہ جس پر یہ متفرع ہوئی ہیں۔ اُس میں ارشاد ہوا ہے:

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ.

''اور جو کچھ اللہ نے تم میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دی ہے، اُس کی تمنا نہ کرو، (اس لیے کہ) مردوں نے جو کچھ کمایا ہے، اُس کا حصہ انھیں مل جائے گا اور عورتوں نے جو کچھ کمایا ہے، اُس کا حصہ انھیں بھی لازماً مل جائے گا۔''

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

واضح سی بات ہے کہ یہاں جس فضیلت کی تمنا کرنے سے روکا گیا ہے، وہ بلا اختلاف مرد و عورت کی باہمی فضیلت ہے۔ مزید یہ کہ وہ اپنی حقیقت میں کسبی نہیں، بلکہ خِلقی ہے۔ پہلی بات کی دلیل آیت میں مرد اور عورت کے الفاظ کا موجود ہونا ہے، اور دوسری بات کی دلیل خلقی کی تمنا چھوڑ کر کسبی کے حصول کی ترغیب دینا ہے۔ گویا یہ بات تمہید ہی میں واضح ہو گئی کہ مرد و زن کو ایک دوسرے پر کچھ نہ کچھ خلقی فضیلت ضرور حاصل ہے۔ اس کے بعد آیت ۳۴ میں جب زن وشو کے بارے میں ہدایات دینے کا موقع آیا کہ جس میں ایک فریق کو اس کی خلقی فضیلت ہی کی بنیاد پر قوامیت دی جاتی ہے تو ظاہر ہے یہاں میاں اور بیوی کے نہیں، مرد اور عورت کے الفاظ ہی موزوں ہو سکتے تھے، وہ اس لیے کہ یہ تخصیص میں جا کر میاں اور بیوی کے رشتے کو تو بیان کرتے ہی، ایک فائدہ یہ بھی ہوتا کہ عموم میں رہتے ہوئے یہ خاندان کے دائرے میں مرد کی خلقی فضیلت کی طرف ہلکا سا اشارہ بھی کر دیتے۔

۲۔ کچھ لوگ اس بات کو تو ٹھیک سمجھتے ہیں کہ 'اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ' میں مرد و عورت سے مراد میاں بیوی ہی ہیں، مگر اس میں بیان کردہ قوامیت کے صحیح مفہوم کو سمجھ لینے سے وہ قاصر رہ گئے ہیں۔ وہ عربی لغت کے نہایت معتبر حوالوں سے یہ بات ثابت کرتے ہیں کہ 'قوّام علی' کا مطلب صرف اور صرف 'مانہا' ہے، یعنی

شوہر نے بیوی کے لیے روزی روٹی کا انتظام کیا۔ چنانچہ ان کے نزدیک اس آیت کا مفہوم یہ نہیں کہ شوہر بیویوں کے سربراہ ہیں، بلکہ یہ ہے کہ وہ محض ان کی مالی ضرورتوں کے ذمہ دار ہیں۔

یہ بات صحیح ہے کہ 'قام' جب عورت کے حوالے سے اور 'علی' کے صلے کے ساتھ آئے تو اس کا مطلب 'مانھا'، یعنی روزی مہیا کرنا اور عورت کے نان ونفقہ کا ذمہ دار ہو جانا ہے، تاہم یہ بات بھی واضح رہے کہ شوہر کی یہ ذمہ داری اس طرح کی نہیں ہے کہ جس سے مقصود صرف نان ونفقہ دے دینا ہو، بلکہ یہ بیوی کے تمام معاملات کا منتظم ہوتے ہوئے پھر اس کی مالی ضرورتوں کا کفیل ہو جانا ہے[1]۔ یہی وجہ ہے کہ اہل لغت میں سے جنھوں نے اختصار کے بجائے تفصیل کا انداز اپنایا ہے، انھوں نے اس ترکیب کا مفہوم بیان کرتے ہوئے 'مانھا' کہہ دینے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ 'و قام بشانھا' کا بھی ذکر کیا ہے[2] کہ جس کا معنی بہرحال عورت کے جمیع امور کا ذمہ دار ہو جانا ہے۔

البتہ، اس مقام پر یہ بات سامنے رہے کہ 'قوّام علی' کا مذکورہ مفہوم، صرف لغت کے حوالے سے ہے، وگرنہ جہاں تک زیر بحث آیت کا تعلق ہے تو یہاں اس کا مطلب اب مالی کفیل کا نہیں، صرف اور صرف سربراہ ہونے کا ہے۔ اس کی وجہ بھی زبان کا ایک معروف قاعدہ ہے۔ اس میں ہوتا یوں ہے کہ بعض اوقات کوئی لفظ اپنے معنی کے کسی خاص پہلو سے خالی رہ جاتا یا دوسرے لفظوں میں اس سے مجرد ہو جاتا ہے۔ لفظ کا اس طرح مجرد ہو جانا، اصطلاح میں تجرید عن المعنی کہلاتا ہے۔ کلام عرب میں یہ تجرید عام طور پر متداول ہے اور قرآن مجید میں بھی اس کی کئی مثالیں دیکھ لی جا سکتی ہیں۔ مثال کے طور پر، وارث اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی کے مرجانے کے بعد اس کے مال کا مالک ہوتا اور اس میں تصرف کرنے کا حق پاتا ہو، مگر 'اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ، الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ[3]' کی آیت میں ظاہر ہے، اس کا یہ معنی لے لینا ممکن نہیں ہے۔ اس لیے کہ فردوس وہ شے نہیں جو کسی سابق متصرف کے اچھی طرح سے اس کو برت لینے اور پھر مرجانے کے بعد مومن کو دی جائے گی، بلکہ یہ تو خدا کا عطا کردہ وہ مقام ہوگی کہ جس میں دیا جانے والا ہر عطیہ مہر بند اور جہاں کی ہر بخشش اچھوتی ہوگی۔ غرض یہ کہ یہاں 'وارث' کا لفظ جس طرح کسی کے مرنے کے بعد اس کے مال کا مالک ہونے سے مجرد ہو کر صرف مالک ہو جانے کے لیے استعمال ہوا ہے، بالکل اسی طرح 'اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ' کی آیت میں 'قوام علی' مالی کفیل کے معنی سے مجرد ہو

---

[1] ذمہ داری کے اس فرق کو اس مثال سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے کہ ایک شخص مسجد کے اخراجات کے لیے باقاعدہ کچھ رقم دیتا ہے اور بس، مگر دوسرا وہ ہے جو اصل میں مسجد کا متولی اور ناظم ہے، چنانچہ اس حیثیت سے اس پر خرچ بھی لازماً کرتا ہے۔

[2] جیسے علامہ فیروز آبادی نے ''القاموس المحیط'' میں اور علامہ زبیدی نے ''تاج العروس'' میں۔

[3] المومنون ۲۳: ۱۰-۱۱۔

کر صرف اور صرف منتظم اور سربراہ ہو جانے کے لیے استعمال ہوا ہے۔

'قوام علی' کے دو پہلووں میں سے کس کی تجرید ہوئی اور کون سا علیٰ حالہ رہا، اس کی دلیل خود آیت کے سیاق میں موجود ہے۔ 'اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ' کے بعد جب یہ جملہ آ گیا کہ وہ مرد اپنے اموال میں سے خرچ کرتے ہیں تو یہ بات حتمی ہوگئی کہ اس میں سے مالی کفالت کے معنی کی تجرید ہوئی ہے، کیونکہ یہ تجرید نہ مانیں تو کلام میں ایسی نامعقولیت پیدا ہوگی جو خدائی کلام تو کجا، کسی انسانی کلام کے بھی شایان شان نہیں ہے۔ یعنی مرد عورتوں کے سربراہ ہیں، اس لیے کہ وہ مال خرچ کرتے ہیں، اس سادہ اور پُرحکمت بات کی جگہ کچھ اس قسم کی پیچیدہ اور مہمل بات سامنے آئے گی: ''مردوں کو ذمہ دار ٹھیرایا گیا ہے کہ وہ بیویوں پر خرچ کریں، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ان پر خرچ کرتے ہیں۔'' گویا یہ آیت ایک ذمہ داری اور اس کی وجہ کا بیان نہ ہوئی، کسی سزا کا بیان ہوگئی جو مرد بے چارے کو اپنی ذمہ داری ادا کرنے ہی پر سنادی گئی ہے۔

اسی طرح 'قَوّٰمُوْنَ عَلَی' میں کون سا معنی باقی رہ گیا ہے، اس سوال کا جواب بھی اُس وقت واضح طور پر سامنے آ جاتا ہے، جب اس جملے کے بعد یہ باتیں کہی جاتی ہیں:

ا۔ نیک عورتیں شوہروں کی اطاعت گزار ہوتی ہیں۔

ب۔ اگر یہ تمھاری اطاعت کریں تو پھر ان پر الزام کی راہ نہ ڈھونڈو۔ ظاہر ہے، اس طرح کی باتیں شوہر کو سربراہ مان لینے کے بعد ہی کہہ دینی ممکن ہیں۔

۳۔ بعض حضرات یہ تو مانتے ہیں کہ 'اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ' کی آیت میں میاں بیوی کا ذکر ہوا اور اس میں قوّام ہونے سے مراد بھی سربراہ ہونا ہی ہے، مگر ان کے نزدیک اس آیت کا خبر یہ پیرایہ ایک اور ہی بات بیان کر رہا ہے۔ ان کے خیال میں قرآن کا مخاطب معاشرہ چونکہ اپنی فطرت میں ایک پدری (patriarchal) معاشرہ تھا کہ جس میں مرد کو بالفعل عورت پر حاکمیت حاصل تھی، اس لیے اس خبر یہ پیرائے میں کسی اخلاقی اور شرعی حکم کا بیان نہیں ہوا، بلکہ اس کے ذریعے سے معاشرے میں رائج روایات کی صرف خبر دی گئی ہے۔

یہ رائے دراصل اس مغالطے پر مبنی ہے کہ قرآن میں زبان کا یہ خبر یہ اسلوب، صرف اور صرف معاشرے کے حالات اور اس میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات پر دلالت کیا کرتا ہے، حالاں کہ اہل علم اس بات سے عام طور پر واقف ہیں کہ قرآن جس طرح مختلف انواع کے اسالیب استعمال کرتا ہے، اسی طرح بعض اوقات ایک ہی اسلوب کے مختلف استعمالات بھی کیا کرتا ہے۔ اس میں یہ معمول کی بات ہے کہ مذکورہ پیرائے میں سابقہ و موجودہ اقوام کے

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

حالات بیان کیے جائیں گے اور اسی میں خدا کی طرف سے مقرر کی گئی شریعت بھی بیان کر دی جائے گی۔ مثال کے طور پر 'اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ'[4] کا جملہ ہے۔ یہ ہے تو خبر یہ اسلوب میں، مگر سب جانتے ہیں کہ یہ گردوپیش میں ہونے والے کسی واقعہ کا نہیں، بلکہ خدا کی شریعت کا بیان ہے۔ یہی معاملہ زیر بحث آیت کا بھی ہے۔ یہ بھی پدری قسم کے کسی معاشرے، اس کے ظلم اور اس پر مبنی کسی استحصال کا نہیں، بلکہ خدا کی شریعت ہی کا بیان ہے؛ اور اس بات کی دلیل خود اس آیت کا سیاق اور سباق ہے۔

۴۔ اسی قسم کے بعض دوسرے لوگ ہیں جو اس آیت سے متعلق مذکورہ بالا تمام حقائق کو مان کر بھی ایک نئے مسئلے کا شکار ہو گئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں شوہر کو بیوی کا شرعی طور پر سربراہ بنایا گیا ہے، یہ بات صحیح ہے، مگر اس کی بنیاد پر یہ کہہ دینا کہ شوہر ہمیشہ کے لیے بیویوں کے سربراہ بنا دیے گئے ہیں، یہ بات صحیح نہیں ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ قرآن میں چونکہ سماجی حالات کی رعایت سے ہدایات دی جاتی ہیں جو ان حالات پر مبنی ہونے کی وجہ سے ہوتی بھی وقتی اور عارضی ہیں، اس لیے زیر بحث آیت میں بھی عرب کے پدری معاشرے کا لحاظ کرتے ہوئے جو کچھ ہدایات دی گئی ہیں، وہ اپنی نوعیت میں عارضی ہی ہیں۔ چنانچہ ان کی بنیاد پر نہ تو کوئی قدر ہمیشہ کے لیے مرد و زن پر مسلط کی جا سکتی اور نہ عمل کا کوئی میدان مستقل طور پر ان کے لیے مقرر کیا جا سکتا ہے، یا دوسرے لفظوں میں، ہر وہ معاشرہ جس کا مزاج پدری نہیں رہ گیا، اس آیت کی ہدایات اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ اب اس سے متعلق نہیں رہی ہیں۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

ان لوگوں کی یہ بات بالکل صحیح ہے کہ قرآن اپنے احکام دیتے ہوئے گردوپیش کے حالات کی رعایت کرتا ہے۔ بلکہ اس پر اضافہ کرتے ہوئے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ایسا کرنا اس پر لازم بھی ہے۔ وہ اس لیے کہ کوئی بھی حکم اُس وقت ہی معقول اور قابل عمل قرار پاتا ہے، جب وہ اپنے مخاطبین سے براہ راست تعلق رکھتا اور انھی کے ماحول سے پھوٹتا ہوا محسوس ہوتا ہو۔ ان لوگوں کی یہ بات بھی صحیح ہے کہ قرآن وقتی مصالح کی رعایت سے جو حکم دیتا ہے، وہ حالات پر منحصر ہونے کی وجہ سے ہوتے بھی وقتی ہیں، اس لیے کچھ وقت گزرنے اور حالات میں واضح طور پر تغیر آ جانے کے بعد وہ کالعدم ہو جاتے یا اپنی ظاہری ساخت، کم سے کم ضرور کھو بیٹھتے ہیں۔ مگر ان دونوں صحیح باتوں کو ملا کر یہ کہہ دینا کہ قرآن میں صرف اور صرف وقتی احکام پائے جاتے ہیں، یہ بات یک سر غلط ہے۔ ایک عام درجے کا طالب علم بھی جانتا ہے کہ یہ کتاب صرف وقتی ہدایات کا مجموعہ نہیں۔ اس قسم کی ہدایات اگر اس میں موجود ہیں تو ابدی نوعیت کی ہدایات بھی اس میں موجود ہیں، بلکہ اول الذکر تو اس میں محض مستثنیات کی حیثیت رکھتی اور انتہائی قلیل تعداد میں پائی

---

[4] البقرہ ۲: ۲۲۹۔ ’’یہ طلاق (ایک رشتۂ نکاح میں) دو مرتبہ (دی جا سکتی) ہے۔‘‘

جاتی ہیں اور جو مستقل بالذات وجود رکھتی اور اچھی خاصی تعداد میں پائی جاتی ہیں، وہ دراصل ثانی الذکر ہدایات ہی ہیں۔ اس میں ایمان کے متعلق ساری تعلیمات ابدی ہیں، اخلاقیات کے سارے مباحث ابدی ہیں اور شریعت بھی اپنی جزئیات سمیت، صدفی صد ابدی ہے۔ چنانچہ اس میں موجود ایک قسم کی ہدایات کو تسلیم کرنا اور پھر اسی کی بنیاد پر دوسری قسم، جو نہ صرف اس میں موجود ہو، بلکہ کثیر تعداد میں موجود ہو، اس کی نفی کر دینا ایک غیر علمی طرز اور اپنے حدود سے صریح طور پر تجاوز کر جانا ہے۔

یہاں عارضی اور ابدی ہدایات کے بارے میں چند باتیں مزید پیش نظر رہنی چاہییں:

ایک یہ کہ قرآن میں عارضی مصالح کے تحت دی گئی ساری ہدایات بھی ایک ہی معنی میں عارضی نہیں ہیں۔ ان میں سے اگرچہ وہ بھی ہیں جو نزول قرآن کے وقت اور اس کے احوال سے اس طرح خاص ہیں کہ اب ان پر عمل کرنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہ گئی، تاہم انھی میں سے اکثر وہ بھی ہیں جو اب بھی قابل عمل ہیں یا آیندہ پھر سے قابل عمل ہوسکتی ہیں۔ پہلی کی مثال یہ آیت ہے: 'یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا وَلِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ'[5]۔ اس میں بیان ہونے والی تعلیم واقعتاً عارضی نوعیت کی ہے، اس لیے کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور آپ کی مجلس کے شرکا کے ساتھ خاص ایک معاملہ تھا اور آپ کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد اس مجلس کے برپا ہونے کا کوئی امکان ہے نہ اس کے متعلق تعلیمات پر عمل کرنے کا اب کوئی موقع ہے۔ دوسری قسم کی مثال یہ آیت ہے: 'وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّہٖ سُلْطٰنًا فَلَا یُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ اِنَّہٗ کَانَ مَنْصُوْرًا'[6]۔ اس میں بیان کردہ تعلیم بھی عارضی ہے، اس لیے کہ یہ تعلیم اس معاشرے کو دی گئی تھی کہ جس میں قاتل کو اجتماعی طور پر سزا دینے کا ابھی کوئی انتظام نہ ہوسکا تھا، تاہم یہ اس طرح کی عارضی نہیں ہے کہ اس پر اب کبھی بھی عمل نہ ہوسکتا ہو، بلکہ آج بھی اگر کوئی معاشرہ اسی حالت میں ہو یا پھر پلٹ کر اسی حالت میں چلا جائے تو اس آیت کی تعلیم پھر سے اس کے لیے قابل عمل ہو جائے گی۔

دوسری بات یہ کہ قرآن جیسی کتاب جو الہامی ہونے کی دعوے دار ہے، اس میں ابدی ہدایات کا وجود، انتہائی

---

۵ البقرہ ۲: ۱۰۴۔ ''ایمان والو، (تم بارگاہ رسالت میں بیٹھو تو) 'رَاعِنَا' نہ کہا کرو، 'اُنْظُرْنَا' کہا کرو اور (جو کچھ کہا جائے، اسے) توجہ سے سنو، اور (اس بات کو یاد رکھو کہ) اِن کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

۶ بنی اسرائیل ۱۷: ۳۳۔ ''اور جو شخص مظلومانہ قتل کیا گیا ہو، اس کے ولی کو ہم نے اختیار دے دیا ہے۔ چنانچہ وہ قتل میں حد سے تجاوز نہ کرے، اس لیے کہ اس کی مدد کی گئی ہے۔''

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

معقول بھی ہے اور از حد ضروری بھی۔ وہ اس لیے کہ ہماری فطرت اپنے اندر اخلاقی داعیات رکھتی اور عقل انھی کی بنیاد پر وقتی مصالح کے تناظر میں ایک قانون کو وضع کر لینے کی صلاحیت بھی رکھتی ہے، لیکن ہماری یہ صلاحیت ہرگز نہیں کہ ہم حالات موجودہ کے تناظر سے اٹھ کر حقائق کا اِدراک اور ان پر مبنی کسی مستقل حکم کا استخراج کر سکیں۔ یہاں ہم مجبور محض ہیں کہ خدا ہماری رہنمائی کرے اور ہمیں ابدی احکام عطا کرے۔ اب جو ابدی شریعت کے منکر ہیں، انھیں ان دو سوالوں کا جواب ضرور دینا چاہیے: اول یہ کہ ان کے دعوے کے مطابق اگر قرآن میں صرف عارضی احکام پائے جاتے ہیں تو بتایا جائے کہ عقل و فطرت کی موجودگی میں ان کی اصلاً ضرورت ہی کیا ہے؟ دوم یہ کہ اگر اس میں ابدی احکام نہیں پائے جاتے تو اسے خدائی کتاب کی حیثیت سے دوسروں کے سامنے پیش کرنا، آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

ہمارے خیال میں آیت 'اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ' کے تحت عارضی اور ابدی کی اصولی بحث چھیڑ دینے کا کوئی موقع نہیں ہے۔ ان دونوں کے ثبوت کو اصول میں مانتے ہوئے ہمیں ہر آیت کو علیحدہ سے دیکھنا چاہیے کہ وہ اپنے مضمون اور سیاق کے لحاظ سے کس نوعیت کی حامل ہے۔ کیا اس پر عمل کرنا آج کے دور میں یا پھر ہمیشہ کے لیے ناممکن ہو چکا یا پھر اس پر آج بھی عمل ہو سکتا اور قیامت تک ہو سکتا ہے؟ اس نظر سے مذکورہ آیت کو دیکھیں تو واضح ہو جاتا ہے کہ اس میں دی جانے والی ہدایت کے وقتی اور عارضی ہونے کی کوئی دلیل اس آیت میں تو کیا، پورے قرآن میں کہیں موجود نہیں ہے۔ البتہ، اس ہدایت کی نوعیت اور اس کا سیاق اس کے ابدی ہونے پر نہایت واضح دلیل ضرور رکھتا ہے۔ اول تو میاں اور بیوی کا ادارہ کہ جو ہمیشہ سے چلا آتا اور اسے ہمیشہ کے لیے قائم بھی رہنا ہے، اس کے بارے میں دی گئی تعلیمات محض عارضی ہوں، یہ بات ہی غیر معقول ہے۔ پھر اس حکم کے جو وجوہ بیان کیے گئے ہیں، وہ اپنی حقیقت میں اس بات کا انکار کرتے ہیں کہ انھیں کسی عارضی حکم کی بنیاد سمجھا جائے، بلکہ ان میں سے ایک اپنی ذات میں فطری ہونے کی وجہ سے اور دوسرا فطری ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی قانون معاشرت کا ایک اہم حصہ ہونے کی وجہ سے نہایت واضح طور پر ابدی نوعیت رکھتا ہے۔ تفصیل ان کی آیندہ صفحات میں آئے گی۔

۵۔ کچھ لوگ یہ بات تو مان لیتے ہیں کہ شوہر قرآن مجید کے مطابق بیویوں کے قوام ہی ہیں، مگر اس پر ایک سوال اٹھا دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اسلامی شریعت نے میاں اور بیوی، دونوں کو ایک ہی درجے میں رکھ کر معاملہ کیوں نہیں کیا، کیوں ان میں سے ایک کو دوسرے پر حاکم بنا دیا گیا؟ اور ایسا کیوں نہیں ہوا کہ حاکم اور محکوم کے بجائے انھیں دو دوست قرار دیا جاتا کہ یہ زندگی سے صحیح طور پر حظ اٹھاتے، دکھ سکھ میں ایک دوسرے کے ساتھی ہوتے اور اس طرح معاشرے کو مفید اور تعمیری اکائی فراہم کرنے کا ایک موثر ذریعہ بن جاتے؟

اس اعتراض نما سوال کا جواب یہ ہے کہ قرآن خود یہ چاہتا ہے کہ میاں بیوی کے مابین دوستوں اور ہم جولیوں کا سا ماحول ہو، پیار اور محبت کا رشتہ پایا جاتا ہو، یہ اچھی معاشرت قائم کریں اور زندگی سے خوب خوب حظ اٹھائیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ان کے لیے بالعموم 'زَوج' کا لفظ استعمال کرتا[7]، ان کی فطری مودّت کا ذکر کرتا[8]، انھیں ایک دوسرے کا لباس قرار دیتا[9] اور ان کی آزادیوں اور بے تکلفیوں کو بیان کرنے کے لیے کھیتی تک کا استعارہ استعمال کرتا ہے[10]۔ مگر اسی کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ انسانی رشتوں میں مراتب کا جو واضح فرق ہے، اس کا بھی لحاظ رہے۔ وہ بتاتا ہے کہ ماں باپ اور ان کی اولاد ممتا اور شفقت کے باہمی ناتوں کے باوجود، آپس میں مراتب کا فرق رکھتے ہیں اور اتنا فرق رکھتے ہیں کہ اولاد کے لیے اِن کی برابری کرنا تو بہت دور کی بات، بے زاری سے 'اونہوں' کہہ دینا بھی روا نہیں ہے۔ یہی معاملہ استاد اور طالب علم کے باہمی رتبے کا ہے۔ اور فرق مراتب کا یہی وہ اصول ہے جو زن وشو کے رشتے پر بھی مکمل طور پر لاگو ہوتا ہے۔ آج کا سماج چاہے انھیں برابر کی سطح پر دیکھتا اور رفقا سے اوپر کوئی حیثیت دینے کو تیار نہ ہوتا ہو، مگر قرآن کی تعلیم بڑی واضح ہے کہ ان میں سے ایک بہر حال قوّام ہے۔ اور یہ قوامیت ہی ہے جو ان کے درمیان میں مراتب کی تقسیم پیدا کر دیتی اور لازم قرار دیتی ہے کہ اس کا ہر دم، حتیٰ کہ محبتوں کے ہر موسم میں بھی لحاظ رکھا جائے، یعنی ان میں اُلفت ہو، محبت ہو، عشق اور مستی ہو، پیار کی وہ جولانیاں ہوں کہ ماضی کی ہر داستان محبت صرف وہم سمجھی جائے، کسی شاعر کا خیال سمجھی جائے، مگر اس سب کے باوجود، ایک گونا رتبے اور درجے کا فرق ان میں پھر موجود ہو۔

جہاں تک سوال کے اس حصے کا تعلق ہے کہ میاں بیوی میں سے ایک کو دوسرے پر حاکم بنایا ہی کیوں گیا ہے؟ تو اس کے جواب میں دو باتیں سامنے رہنی چاہییں: پہلی یہ کہ حاکم کا لفظ قرآن نے استعمال نہیں کیا۔ یہ 'قوام علی' میں موجود استعلا کو بیان کرنے کے لیے مفسرین یا پھر مترجمین کا اختیار کردہ لفظ ہے۔ لہٰذا آج کی دنیا میں اس سے پیدا ہونے والے توحش اور تنفر کی ذمہ داری کسی مفسر اور کسی مترجم پر آئے تو آئے، قرآن پر ایسی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ قرآن نے جو 'قوام علی' کی ترکیب بیان کی ہے، اس کا معنی اہل لغت کی تصریحات کے مطابق حاکم کا نہیں،

---

۷ النساء ۴: ۲۰۔

۸ الروم ۳۰: ۲۱۔

۹ البقرہ ۲: ۱۸۷۔

۱۰ البقرہ ۲: ۲۲۳۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

بلکہ منتظم یا سر براہ کا بنتا ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ دوسری بات جو اس سلسلے میں سامنے رہنی چاہیے، وہ اس رشتۂ نکاح کی حقیقت ہے۔ یہ بات تو ہم سب مانتے ہیں کہ نکاح باہمی رفاقت کے پیمان کا دوسرا نام ہے، لیکن یہ بات بھی ہمیں مان لینی چاہیے کہ یہ مرد وزن کی محض رفاقت ہی نہیں ہے کہ یہ تو اس کے بغیر بھی حاصل ہو سکتی اور یہ حسن وخوبی حاصل ہو سکتی ہے۔ نکاح اصل میں رفاقت سے آگے بڑھ کر خاندان کا ادارہ وجود میں لانے کا ایک اعلان بھی ہے[11]۔ سو نکاح کی یہی حقیقت ہے جو ہمیں مجبور کرتی ہے کہ جس طرح ریاست کے ادارے یا کسی کاروباری ادارے کا ہم سربراہ بناتے ہیں، اسی طرح خاندان کے اس ادارے کا بھی کوئی سربراہ بنائیں۔ نیز وہ سربراہ ہو بھی صرف ایک۔ اس لیے کہ ادارے کی بقا اس بات کی متحمل نہیں ہو سکتی کہ اس پر دو دو سربراہ لا دیے جائیں اور وہ اختیارات کے معاملے میں ہمیشہ منازعت کا شکار رہیں۔ یہ ساری باتیں اس قدر واضح ہیں کہ قرآن عورت کے بجاے مرد کو سربراہ بنانے کی دلیل تو دیتا ہے، مگر ان میں سے کسی ایک کو کیا سربراہ ہونا بھی چاہیے یا ان میں سے صرف ایک ہی کو ہونا چاہیے، وہ سرے سے ان باتوں کی کوئی دلیل نہیں دیتا کہ یہ سب اس ادارے کا ناگزیر تقاضا ہے۔ غرض یہ کہ مرد وزن کو ایک جیسی حیثیت دینے کے بجاے ان میں سے ایک کو اگر سربراہ بنانا پڑا ہے تو اس کی واحد وجہ خاندان کا یہ ادارہ ہے، جو اگر نہ ہوتا تو ان دونوں کو نکاح کے بعد بالکل برابری کا درجہ دے دیا جاتا۔

۶۔ شوہر کا بیوی پر حاکم ہونا نہیں، بلکہ محض اس کا سربراہ ہو جانا، کچھ نازک طبیعتوں پر یہ بھی گراں گزرا ہے اور وہ کسی بھی صورت میں اسے مان کر دینے کے لیے تیار نہیں ہوئے۔ ان کے اس انکار کی، اگر غور کیا جائے تو دو بنیادی وجوہات ہیں: پہلی یہ کہ مرد کی سربراہی کو یہ حضرات ایک وجۂ ترجیح خیال کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ سربراہی مرد کو آسمان پر بٹھا دینے اور عورت کو زمین تلے گرا دینے کا ایک قانونی جواز ہے، اور اس اعتبار سے ظلم کی انتہائی کریہہ صورت اور خود قرآن کے ولٹن شاؤ نگ (Weltanschauung) کے بالکل خلاف ہے[12]۔ ان کے انکار کی دوسری وجہ لفظ سربراہ کے ساتھ جڑے ہوئے وہ تلخ تجربات ہیں جن کی بہت سی مثالیں گردوپیش میں ہر وقت دیکھ لی جا

---

[11] یہ بھی یاد رہے کہ اس ادارے کو قائم کرنے کی تحریک کسی فکری عمل کا نتیجہ نہیں کہ اس پر دو رائیں ہو سکیں، بلکہ یہ فطرت انسانی کا بدیہی تقاضا اور انسانی تاریخ کا مجمع علیہ عمل ہے کہ اس کے بغیر بچوں کو نہ بڑوں کی شفقت مل سکتی اور نہ بڑوں بوڑھوں کو اپنی نگہداشت کے لیے اولاد کی توجہ ہی میسر آ سکتی ہے۔

[12] اس اصطلاح سے مراد کلی نوعیت کے تصورات ہیں۔ زیر بحث مسئلہ میں اس سے مراد قرآن میں بیان کردہ وہ تعلیمات ہیں جو اپنی نوعیت میں عمومی انداز رکھتی ہیں، جیسے انسانی عظمت یا عدل وانصاف۔

سکتی ہیں۔ یہ حضرات شوہر کی سربراہی کو بھی انھی کے تناظر میں دیکھتے اور نتیجتاً اس پر بھی صریح ظلم کا اطلاق کرنے لگتے ہیں۔

پہلی بات کے جواب میں واضح ہو کہ اول تو یہ مسئلہ عورت اور مرد کی جنس کا نہیں، بلکہ شوہر اور بیوی کے رشتے کا ہے[13]، اس لیے اس کی بنیاد پر مرد و زن کی مساوات پر گفتگو کرنا، بالکل بے معنی اور بے محل ہے۔ مزید یہ کہ شوہر کو بیوی پر حاصل یہ سربراہی کسی قسم کی ترجیح یا فضیلت کی کوئی شے نہیں، بلکہ تقسیم کار کے اصول پر طے کیا گیا عمل کا ایک تفاوت ہے۔ اس اعتبار سے یہ حد درجہ معقول بھی ہے اور از حد ضروری بھی اور محض ایک ذمہ داری ہے اور کچھ بھی نہیں۔ آج بھی ریاست میں یا پھر کسی کاروباری ادارے میں تقسیم کار کے اسی اصول کے مطابق مختلف لوگوں کو مختلف ذمہ داریاں تفویض کی جاتی ہیں۔ ایک ریاست کا سربراہ قرار پاتا ہے تو دوسرا اُسی ریاست کا ایک عام شہری۔ ایک شخص کاروباری معاملات میں صاحب کی جگہ سنبھالتا ہے تو دوسرا محنت اور مزدوری کی ذمہ داریاں نبھاتا ہے۔ یہ سبھی اپنے اپنے دائروں میں کام کرتے اور اس طرح اپنے اداروں کو فائدہ پہنچاتے ہیں، مگر عمل کا یہ تفاوت ان کی بنیادی حیثیت میں کوئی کمی کرتا ہے اور نہ کسی قسم کا کوئی اضافہ کرتا ہے۔ بالکل اسی طرح خاندان کے ادارے کا معاملہ ہے۔ اس میں بھی چند ذمہ داریوں کا تعین مرد اور عورت کی بنیادی صلاحیتوں کے لحاظ سے کر دیا گیا ہے۔ یہ تعین ان کے درجوں میں انتظامی قسم کا ایک فرق تو ضرور پیدا کر دیتا ہے، مگر ان کی بنیادی حیثیت میں کوئی کمی یا بیشی ہرگز نہیں کرتا۔ چنانچہ مرد کی سربراہی کو ایک وجۂ ترجیح اور فضیلت کی کوئی چیز سمجھنا اور اسے عدل و انصاف کے خلاف قرار دے لینا، یہ دونوں باتیں صحیح ہیں اور نہ ان کی بنیاد پر کیے جانے والے اعتراضات ہی صحیح ہیں۔

دوسری بات کے جواب میں عرض ہے کہ سربراہ کا جو تصور ہمارے معاشرے میں رائج ہے وہ فی الواقع قابل رشک نہیں اور لازم ہے کہ اس سے ذہنوں میں اشکال پیدا ہوں، مگر حقیقت یہ ہے کہ ان سربراہوں میں اور شوہر کے سربراہ ہونے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ان میں سے ایک سربراہ وہ ہے جو ظلم اور جبر کا نتیجہ یا کسی بگڑے ہوئے عقیدے کا لازمہ ہوتا ہے، چنانچہ وہ ہر زیردست کو اپنی ملکیت قرار دیتا، اس کے جان و مال کا استحصال کرتا اور ہر دم اس کے درپے آزار رہتا ہے۔ یا پھر وہ سربراہ ہے جو ایک بے حس معاشی نظام کی کوکھ سے جنم لیتا ہے، چنانچہ اپنا ہی مفاد سامنے رکھتا اور اپنے ماتحتوں کے خون کا ہر ہر قطرہ چوس لینے کو ہمہ وقت بے قرار رہتا ہے۔ لیکن ان سب کے مقابلے میں ایک سربراہ وہ ہے جو کسی غیر کا نہیں، اپنے گھر اور خاندان، اپنی بیوی اور اپنے ہی بچوں کی ماں کا سربراہ

۱۳؎ وگرنہ ایک عورت ہونے کے باوجود، ماں باپ سے تین درجے زیادہ مقام رکھتی ہے۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

ہوتا ہے۔ اور صرف سر براہ ہی نہیں، اُس کا 'زَوْج' اور صاحب ہوتا، اس کے نفع و نقصان میں شریک، اس کے دکھ سکھ کا ساتھی، اس کی جلوت اور ہر خلوت کا ہم نشین بھی ہوتا ہے۔ غرض یہ کہ یہ بہت بڑا فرق ہے اور اس کے ہوتے ہوئے ان دونوں قسم کے سر براہوں میں ذرہ بھر بھی کوئی نسبت مانی جا سکتی اور نہ ایک کو دوسرے پر قیاس ہی کیا جا سکتا ہے کہ ان میں سے ایک کے ظلم اور مادہ پرستی کا ہوا دکھا کر دوسرے کو جی بھر کر مطعون کیا جائے یا پھر ایک کی رعونت اور خود غرضی کا اشتہار دے کر دوسرے کی محبت اور خلوص کو بھی یک سر رد کر دیا جائے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

امین احسن اصلاحی

ختم نبوت کے بعد ہدایت خلق کا انتظام

سوال: یہ کائنات ایک امتحان گاہ ہے اور اس کے ہر فرد سے آخرت میں باز پرس ہوگی۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ ختم نبوت کے بعد ہر نفس پر اتمام حجت کا کام قلیل، غافل، اور اکثر اپنی راہ سے بھٹک جانے والی، اپنے فرائض کو پس پشت ڈال دینے والی امت پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ اس میں کیا حکمت ہے؟

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

جواب: ختم نبوت کے بعد ہدایت خلق کی ذمہ داری امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو ڈالی گئی ہے تو اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے دو خاص انتظام ایسے بھی فرمائے ہیں جو اس بات کی ضمانت بہم پہنچاتے ہیں کہ اگر یہ امت بحیثیت مجموعی اپنے فرض منصبی ــــــ شہادۃ علی الناس ــــــ سے غفلت برتے جب بھی شہادت حق کا کام بالکل معطل نہیں ہوسکتا۔

ایک یہ کہ قرآن کریم کو، جو اللہ تعالیٰ کی ہدایات معلوم کرنے کا ذریعہ ہے، ہر قسم کے تحریف و تغیر سے ہمیشہ کے لیے بالکل محفوظ کر دیا ہے۔ پچھلی امتوں میں جو انبیاء علیہم السلام تشریف لائے، ان کی تعلیمات اور ان کی کتابوں کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ انتظام نہیں فرمایا، اس وجہ سے ان کی تعلیمات میں تحریفات اور تبدیلیاں ہوگئیں جن کو صرف بعد میں آنے والے انبیاء ہی درست کر سکتے تھے۔ لیکن ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ خاتم الانبیاء ہیں، آپ کے بعد کوئی اور نبی آنے والا نہیں تھا، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کی کتاب کی حفاظت کے لیے یہ انتظام فرمایا کہ اس کو جن و انس کی ہر قسم کی دراندازیوں سے ہمیشہ کے لیے محفوظ فرما دیا۔ قرآن مجید کی اس محفوظیت نے اس اندیشہ کا بالکل سدباب کر دیا ہے کہ خدا کی یہ زمین خدا کی اصل تعلیم سے کبھی بالکل محروم ہو جائے گی۔

دوسرا انتظام یہ فرما دیا ہے کہ اس امت میں ایک گروہ حق پر قائم رہنے والا اور حق کی طرف دعوت دینے والا ہر دور

میں موجود رہے گا جو اپنے قول اور عمل سے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین اور ان کے بتائے اسوۂ حسنہ کی شہادت برابر دیتا رہے گا۔ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ پچھلی امتوں کو یہ چیز بھی حاصل نہیں تھی جس کے سبب سے بگاڑ کے دور میں ان کے اندر نہ تو خدا کی اصل تعلیم باقی رہ جاتی تھی اور نہ ان کی یاددہانی کرنے والے اشخاص وافراد باقی رہ جاتے تھے۔ اگر کوئی شکل اس بگاڑ کی اصلاح کی باقی رہ جاتی تھی تو صرف یہ کہ کوئی نبی آ کر اس کی اصلاح کرے۔ لیکن اس امت کو اس طرح کے کسی اندھیرے میں گھر جانے سے خدا نے محفوظ فرمایا ہے۔ اس کے لیے، جیسا کہ متعدد احادیث میں وارد ہے، اللہ تعالیٰ نے یہ اہتمام فرمایا ہے کہ جب اس امت کے سارے جسم میں بدعت وضلالت کا اثر اس طرح سرایت کر جائے گا، جس طرح سگ گزیدہ کے جسم میں کتے کا زہر سرایت کر جاتا ہے، اس وقت بھی اللہ تعالیٰ اس کے ایک حصہ کو اس زہر کے اثر سے محفوظ رکھے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس امت پر اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد شہادۃ علی الناس کی جو ذمہ داری ڈالی ہے تو اس ذمہ داری کے تعلق سے اس امت کو من حیث الامت وہ عصمت بھی عطا فرمائی ہے جو انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہوتی ہے۔ یعنی یہ امت بحیثیت افراد کے تو گمراہی اور ضلالت میں مبتلا ہو سکتی ہے، لیکن بحیثیت امت کے یہ ہمیشہ ہدایت پر قائم رہے گی۔ اس کو یہ حالت کبھی نہیں پیش آئے گی کہ پوری امت ضلالت پر مجتمع ہو جائے، حق پر قائم کوئی گروہ اس کے اندر سرے سے باقی ہی نہ رہ جائے۔ یہی معنی ہیں اس حدیث کے جس میں فرمایا گیا ہے کہ 'لا تجتمع أمتي علی الضلالة' (میری امت کبھی ضلالت پر متفق نہیں ہوگی)۔

یہ اہتمام اس امت کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے اس لیے فرمایا ہے کہ ختم نبوت کے بعد بھی اللہ کی کتاب اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے حاملین اس کے اندر باقی رہیں۔ اگر نبوت ختم نہ ہو چکی ہوتی تو اس اہتمام کی ضرورت نہ تھی۔ بالفرض خدا کی کتاب اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مٹ بھی جاتی تو بعد میں آنے والا نبی ان کو زندہ اور تازہ کر دیتا۔

یہ اہتمام تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اصل دین کو محفوظ کرنے کے لیے فرمایا ہے۔ اب آیئے دیکھیے کہ اس دین کو دنیا میں پھیلانے اور خلق پر اس کی حجت قائم کرنے کے لیے کیا اہتمام فرمایا ہے؟

اس کے لیے یہ اہتمام فرمایا ہے کہ تبلیغ ودعوت کی ذمہ داری پوری ایک امت پر ڈال دی ہے جو ہر دور میں، ہر ملک میں اور ہر زبان میں یہ خدمت انجام دے سکتی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس امت کے اکثر افراد اپنی اس ذمہ داری سے غافل ہیں، بلکہ یہ کہنا بھی غلط نہیں ہے کہ ان کے اعمال کی شہادت ان کے اس منصب کی ذمہ داریوں کے بالکل

www.javedahmadghamidi.org www.almawrid.org

خلاف ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس حقیقت کا بھی اعتراف کرنا چاہیے کہ تاریخ کا کوئی تاریک سے تاریک دور بھی ایسا نہیں گزرا ہے جس میں یہ امت شہادت علی الناس کا فرض ادا کرنے والوں سے بالکل ہی خالی ہوگئی ہو۔ اللہ کے بندوں نے یہ شہادت زبان سے بھی دی ہے، قلم سے بھی دی ہے، عمل سے بھی دی ہے اور ہر ملک، ہر زبان، ہر دور اور ہر طرح کے حالات کے اندر دی ہے۔ اس شہادت سے شہادت دینے والوں کو نہ امرا اور سلاطین کی تلواریں روک سکی ہیں نہ ان کی اشرفیوں کی تھیلیاں، یہ عوام کی مخالفت سے دبے ہیں اور نہ خواص کی سازشوں سے، نہ ان کو کسی خوف سے دبایا جاسکا ہے اور نہ کسی طمع سے خریدا جاسکا ہے۔

یہ ضرور ہے کہ اس طرح کے رجال کی تعداد ہر دور میں بہت تھوڑی رہی ہے، لیکن ظاہر ہے کہ جگانے والوں کی تعداد اتنی نہیں ہوا کرتی جتنی تعداد سونے والوں کی ہوتی ہے۔ فرض کر لیجیے کہ نبوت کا سلسلہ ختم نہ ہوا ہوتا، جاری ہوتا، جب بھی کیا ہوتا۔ ہر شہر اور ہر قریہ میں تو نبی آنے سے رہا تھا، یہی ہوتا کہ وقفہ وقفہ کے ساتھ کوئی نبی تذکیر کے لیے آجاتا۔ سو یہ کام ہر دور میں اللہ کے نیک اور خدا ترس بندوں کے ذریعے سے ہوا ہے اور قیامت تک ہوتا رہے گا۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ساری ذمہ داری صرف جگانے والوں ہی پر نہیں ہے، بلکہ اس ذمہ داری کا کچھ حصہ جاگنے والوں پر بھی ہے۔ یہ دنیا جس کو آپ غافلوں کی دنیا کہتے ہیں، بہرحال ڈھوروں اور ڈنگروں کی دنیا نہیں ہے۔ اس میں بڑے بڑے سائنس دان، بڑے بڑے فلسفی، بڑے بڑے مصنف، بڑے بڑے پروفیسر اور بڑے بڑے مدبر اور سیاست دان پڑے ہوئے ہیں۔ یہ حضرات آسمان و زمین کے سارے قلابے ملاتے ہیں، آخر کبھی انھیں خدا اور اس کے احکام کی تلاش کیوں نہیں ہوتی؟ ان کی ساری حسیں زندہ ہیں، آخر یہی حس کیوں مردہ ہوگئی ہے؟ یہ نہیں ہے کہ یہ حضرات خدا اور رسول، مسیح علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ناواقف ہوں، خوب واقف ہیں۔ اپنی سیاسی بازی گریوں میں اگر ضرورت پیش آجاتی ہے تو ان ناموں کو استعمال بھی کرتے ہیں۔ آخر یہ حضرات کبھی ان ناموں کی حقیقت پر ایمان داری اور سچائی کے ساتھ کیوں نہیں غور کرتے۔ انھیں عوامی گیتوں اور عوامی ناچوں کے احیاء کی فکر تو بہت پریشان رکھتی ہے، آخر انھیں خدا کے دین کے احیاء کی فکر کبھی کیوں نہیں لاحق ہوتی۔

میں تو ان عقلاء و فضلا کے معاملہ پر جب غور کرتا ہوں تو مجھے یہ بات صاف نظر آتی ہے کہ ان کو جگانے کے لیے تو ان کی عقل کو کافی ہونا چاہیے تھا۔ اگر وہ کافی نہیں ہے تو ان کے لیے کوئی چیز بھی کافی نہیں ہوسکتی۔ ان سے تو اللہ تعالیٰ یہی پوچھے گا کہ ہماری بخشی ہوئی عقل کے راکٹ پر سوار ہو کر آپ حضرات چاند تک پہنچ گئے، کیا کبھی اس عقل نے ہمارے دروازے کی طرف آپ لوگوں کی رہنمائی نہیں کی؟ اس دور کے لوگوں پر میرے نزدیک ان کی عقل پوری

طرح خدا کی حجت تمام کر رہی ہے۔

میرے اس بیان سے کسی کو یہ بدگمانی نہ ہو کہ میں اس امت کو اس کی دعوتی ذمہ داریوں سے بری الذمہ ٹھیرانا چاہتا ہوں۔ میرا یہ منشا ہرگز نہیں ہے۔ اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فریضۂ تبلیغ و دعوت میں کوئی کوتاہی ہو جاتی تو اللہ تعالیٰ ان سے بھی مواخذہ کرتا، پھر شہادت علی الناس کی جو ذمہ داری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت پر ڈالی گئی ہے اگر اس امت کے لوگ اس کو ادا کرنے میں کوتاہی کریں گے تو اس کے مواخذہ سے کس طرح بچ سکیں گے؟ ہم میں سے ہر شخص اپنی صلاحیتوں اور اپنے اختیارات کے اعتبار سے اس بارے میں خدا کے ہاں مسئول ہو گا اور مجھے یہ کہنے میں ذرا باک نہیں ہے کہ اس خلق کی وہ تمام گمراہیاں جو ہماری غفلتوں کے نتیجہ میں ظہور میں آئیں گی، ان کے نتائج بھگتنے میں ہم بھی برابر کے شریک ہوں گے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اشاریہ

نعیم احمد

اشاریہ ماہنامہ ''اشراق'' ۲۰۱۳ء

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

قرآنیات

شمارہ	عنوان	مصنف	صفحہ
جنوری	البیان: التوبہ ۹: ۱-۲۸ (۱)	جاوید احمد غامدی	۱۱
فروری	البیان: التوبہ ۹: ۲۹-۳۷ (۲)	〃	۱۱
مارچ	البیان: التوبہ ۹: ۳۸-۴۲ (۳)	〃	۹
اپریل	البیان: التوبہ ۹: ۴۳-۶۰ (۴)	〃	۱۳
مئی	البیان: التوبہ ۹: ۶۱-۷۲ (۵)	〃	۵
جون	البیان: التوبہ ۹: ۷۳-۸۰ (۶)	〃	۹
جولائی	البیان: التوبہ ۹: ۸۱-۸۹ (۷)	〃	۵
اگست	البیان: التوبہ ۹: ۹۰-۹۹ (۸)	〃	۵
ستمبر	البیان: التوبہ ۹: ۱۰۰-۱۱۲ (۹)	〃	۴
اکتوبر	البیان: التوبہ ۹: ۱۱۳-۱۲۹ (۱۰)	〃	۶
نومبر	البیان: یونس ۱۰: ۱-۱۰ (۱)	〃	۶
دسمبر	البیان: یونس ۱۰: ۱۱-۱۹ (۲)	〃	۴

معارف نبوی

شمارہ	عنوان	مصنف	صفحہ
جنوری	بعض منکرین کو مہلت نہ دینے کے متعلق پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم	معز امجد / شاہد رضا	۲۹
فروری	قبیلۂ قریش کے بارہ حکمران	〃	۱۹
مارچ	”مجھے حکم دیا گیا ہے کہ ان لوگوں سے لڑوں“	〃	۱۳
اپریل	فلاح آخرت کے لیے جدوجہد کرنے والوں کے لیے انعامات الٰہی	〃	۲۳
مئی	فتنہ انگیزی کی سزا	〃	۱۱
جون	فتنوں سے متعلق انذار نبی صلی اللہ علیہ وسلم	〃	۱۳
جولائی	حسن اخلاق کے بارے میں روایات	امین احسن اصلاحی	۹
اگست	لباس پہننے کے بارے میں روایات	〃	۱۰
ستمبر	کھانے اور پینے کے بارے میں روایات	〃	۱۴
نومبر	نظر بد کے لیے جھاڑ پھونک کرنا	〃	۱۵
دسمبر	بخار میں پانی سے غسل کے بارے میں	〃	۱۰

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

دین و دانش

شمارہ	عنوان	مصنف	صفحہ
جنوری	”والتی یاتین الفاحشة من نسائكم“	رضوان اللہ	۳۷
مئی	کتاب و حکمت	〃	۲۱
جون	احکام شریعت بطور نعمت الٰہی	محمد عمار خان ناصر	۲۳

شذرات

شمارہ	عنوان	مصنف	صفحہ
جنوری	صاحب ”تدبر قرآن“ کی یاد میں	خورشید احمد ندیم	۲
〃	اہل دنیا کو یہ معلوم نہیں کہ امین احسن...	محمد بلال	۴
〃	قیامت تو روزانہ آ رہی ہے!	〃	۶
فروری	محترم قاضی صاحب	خورشید احمد ندیم	۲
〃	حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دعوت کی قوت	محمد بلال	۵
〃	قاضی حسین احمد: ایک عہد ساز شخصیت	عقیل احمد انجم	۸

شمارہ	عنوان	مصنف	صفحہ
مارچ	فریب نفس یا تعبیر کی غلطی؟	خورشید احمد ندیم	۲
〃	غیر مسلموں کا اسلامی سزا کے لیے مطالبہ	محمد بلال	۴
اپریل	سانحۂ عباس ٹاؤن: علمی تحقیقات کی ضرورت	〃	۲
〃	سانحۂ بادامی باغ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقدمہ	〃	۵
〃	خواتین کا عالمی دن	نعیم احمد بلوچ	۷
مئی	جمہوریت ـــــ دین کا تقاضا	محمد بلال	۲
جون	انتخابات ۲۰۱۳ء اور بھارت کے ساتھ تعلقات	〃	۲
〃	نیا پاکستان مبارک!	خورشید احمد ندیم	۵

اس شمارے میں

شمارہ	عنوان	مصنف	صفحہ
جولائی	اس شمارے میں	ادارہ	۲
اگست	اس شمارے میں	شاہد رضا	۲
ستمبر	اس شمارے میں	〃	۳
اکتوبر	اس شمارے میں	〃	۳
نومبر	اس شمارے میں	〃	۳
دسمبر	اس شمارے میں	〃	۳

نقطۂ نظر

شمارہ	عنوان	مصنف	صفحہ
جنوری	نظام سرمایہ داری اور اسلام (۱)	پروفیسر الطاف احمد اعظمی	۵۴
فروری	نظام سرمایہ داری اور اسلام (۲)	〃	۳۶
مارچ	پاکستان میں مذہبی تعلیم	محمد عمار خان ناصر	۲۷
〃	نظام سرمایہ داری اور اسلام (۳)	پروفیسر الطاف احمد اعظمی	۳۰
اپریل	صلوٰۃ (نماز) (۱)	〃	۳۹
مئی	صلوٰۃ (نماز) (۲)	〃	۴۰
جون	صلوٰۃ (نماز) (۳)	پروفیسر الطاف احمد اعظمی	۴۳
جولائی	متن حدیث میں علما کے تصرفات (۱)	ساجد حمید	۲۵
اگست	میاں یا بیوی کی سرکشی ـــــ قرآن کی نظر میں	پروفیسر خورشید عالم	۳۱

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

نقد و نظر

شمارہ	عنوان	مصنف	صفحہ
فروری	میاں بیویوں کے سربراہ ہیں	رضوان اللہ	۴۹
مارچ	میاں بیویوں کے کفیل ہیں	پروفیسر خورشید عالم	۳۹
اپریل	میاں بیویوں کے سربراہ ہی ہیں	رضوان اللہ	۵۵
مئی	میاں بیویوں کے کفیل ہی ہیں	پروفیسر خورشید عالم	۴۵
دسمبر	قوّامیت رجال	رضوان اللہ	۲۶

سیر و سوانح

فروری	حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ	محمد وسیم اختر مفتی	۲۵
مارچ	حضرت یاسر رضی اللہ عنہ	"	۲۱
اپریل	حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (۱)	"	۲۹
مئی	حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (۲)	"	۳۵
جون	حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (۳)	"	۳۳
اگست	حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ	"	۲۵
ستمبر	ملا نظام الدین علیہ الرحمۃ	شبلی نعمانی	۳۶
اکتوبر	حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا	محمد وسیم اختر مفتی	۲۸
نومبر	حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ	"	۳۷
دسمبر	حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ	"	۱۷

مقامات

اگست	ترکی میں حدیث کی تدوین جدید	جاوید احمد غامدی	۲۲
اکتوبر	مذہبی انتہا پسندی	"	۱۷
نومبر	قتل عمد کی سزا	"	۱۸

مقالات

جولائی	روزہ	جاوید احمد غامدی	۱۹

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

شمارہ	عنوان	مصنف	صفحہ
اکتوبر	حج وعمرہ	جاوید احمد غامدی	۲۰
دسمبر	علم اور ذرائع علم	امین احسن اصلاحی	۱۳

افادات

جولائی	اصلاح اور نماز	حمیدالدین فراہی	۳۹
نومبر	خیالات اثنائے ترجمۂ قرآن	؍	۲۲
؍	قرآن مجید پر تاریخی اعتراضات	سید سلیمان ندوی	۲۸

اصلاح ودعوت

جنوری	پیغام بیداری کی تذکیر	محمد بلال	۶۲
فروری	روز جزا اللہ کی رحمت کا تقاضا ہے	امین احسن اصلاحی	۵۹
؍	تعلق بالقرآن	محمد رفیع مفتی	۶۱
مارچ	بیچ کی نماز	ریحان احمد یوسفی	۴۷
؍	ایمان کا فیصلہ	؍	۴۸
؍	قیادت کا مسئلہ	؍	۴۹
؍	غداری	؍	۵۰
؍	اندھیرا چھٹ جائے گا	؍	۵۲
؍	دوہرا معیار	عقیل احمد انجم	۵۴
مئی	احتجاج وانتقام اور اسلامی اخلاقیات	محمد عمار خان ناصر	۵۲

تبصرۂ کتب

اکتوبر	’’نسائیات‘‘	پروفیسر خورشید عالم	۳۹

یسئلون

جولائی	اسلام میں شوریٰ کی حیثیت	امین احسن اصلاحی	۴۳

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

شمارہ	عنوان	مصنف	صفحہ
دسمبر	ختم نبوت کے بعد ہدایت خلق کا انتظام	امین احسن اصلاحی	۴۰

ادبیات

شمارہ	عنوان	مصنف	صفحہ
جولائی	عدل جہانگیری	شبلی نعمانی	۴۶
ستمبر	خلافت فاروقی	〃	۴۷
نومبر	آنحضرت ؐ کی غربا نوازی	〃	۴۸

وفیات

شمارہ	عنوان	مصنف	صفحہ
اگست	مولانا اختر احسن اصلاحی	امین احسن اصلاحی	۴۷
ستمبر	حاجی رشید الدین انصاری	〃	۴۵
نومبر	علامہ اقبال	〃	۴۴

اشاریہ

شمارہ	عنوان	مصنف	صفحہ
دسمبر	اشاریہ ماہنامہ ''اشراق'' ۲۰۱۳ء	نعیم احمد	۴۴

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com